

# فوائد اسلام للرجال

اُمّہ حیات رکاعظیم الشان کا نام



سلسلہ  
اسناد

حدیث پر کھنے  
کے اصول

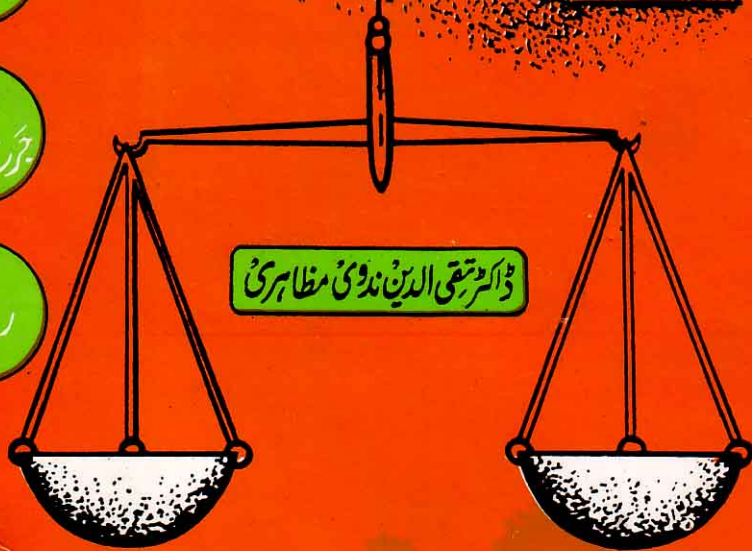
فہم  
جرح و تعدیل

استماعی

رواۃ

ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

وضع حدیث



# فہرست مضامین فن اسماء الرجال

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۳۰	فن جرح و تعدیل کا آغاز	۱۳	۶	مقدار حضرت مولانا سید الحسن علی مدنی مدظلہ
۳۴	تاریخ رجال حدیث کی تدوین	۱۵	۱۱	حرف آغاز
۴۸	جرح و تعدیل میں محدثین کی یائنداری	۱۶	۱۳	فن اسماء الرجال
۴۹	محدثین کا وجدانی ملکہ	۱۷	۱۵	سلسلہ اسناد
۵۱	حدیث کے پرکھنے کے اصول و ضابطے	۱۸	۱۶	راویان حدیث کی پہلی صف یعنی
۵۲	وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق	۱۹		صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
	تین حدیث سے ہے		۲۲	راویان حدیث کی دوسری صف
۵۳	وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق	۲۰		یعنی تابعین
	اسناد سے ہے		۲۷	مستند کا آغاز
۵۴	انناد پر نقد کے اصول و ضابطے	۲۱	۲۹	ظہور فتنہ کے بعد روایت حدیث
۵۸	وہ لوگ جن کی روایات میں توقف	۲۲		میں احتیاطی تدابیر
	کیا جائے گا		۳۰	انناد کا التزام اور رجال کی تحقیق
۵۹	جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے	۲۳	۳۵	انناد عالی کی اہمیت
	اختلاف کی حقیقت		۳۶	راویان حدیث کی تیسری صف
۶۲	جرح کے معتبر ہونے کے لئے اباب	۳۳		تابع تابعین
	کا بیان کرنا ضروری ہے		۳۸	فن جرح و تعدیل
۶۴	معاصر ائمہ کا درجہ و حیثیت	۲۵	۳۹	جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان	نمبر
۲۶	تنبیہ	۶۵	ابن القطان کی اصطلاح	۷۸
۲۷	جرح مبہم تعدیل مقدم ہے	۶۶	یحییٰ بن سعید قطان کے "ترک" کہنے کا مطلب	۷۸
۲۸	جن ائمہ کی امامت کو امت نے تسلیم کر لیا ہے ان پر کسی کی جرح معتبر نہیں	۶۶	محدثین کے کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہنے کا مطلب	۷۹
۲۹	جرح و تعدیل کا منصب	۶۷	کسی حدیث کے صحیح یا حسن یا ضعیف کہنے کا مطلب	۷۹
۳۰	ائمہ جرح و تعدیل کے درجات	۶۸	محدثین کرام کے "لایصح ولا یثبت"	۷۹
۳۱	رواۃ کے بیان احوال میں محدثین کا طریقہ کار	۶۹	فرمانے کا مطلب	۷۹
۳۲	الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب	۷۰	حدیث کی تصحیح و تضعیف کا مقام	۸۰
۳۳	مراتب الفاظ تعدیل	۷۱	فن اسماء الرجال میں ائمہ کی اہم و مشہور کتابیں	۸۳
۳۴	الفاظ جرح کے مراتب	۷۲	کتب طبقات	۹۳
۳۵	ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات	۷۳	اسماء و کنیٰ و القاب پر اہم تصنیفات	۹۷
۳۶	امام یحییٰ بن عین کی مخصوص اصطلاحات	۷۴	انساب پر اہم و مشہور کتب	۱۰۰
۳۷	امام بخاری کے قول "فی نظر الدن سکتہ اغتہ" کا مطلب	۷۵	کتب جرح و تعدیل	۱۰۱
۳۸	روی المذکور و منکر الحدیث میں مسروق	۷۶	کتب موضوعات	۱۰۷
۳۹	علامہ ذہبی کی اصطلاحات	۷۷	کتاب کے اہم مراجع و مصادر	۱۱۳
۴۰	امام ابو حاتم کے "مجبول" کہنے کا مطلب	۷۸		
۴۱	امام احمد بن حنبل کی ایک اصطلاح	۷۹		

# دوسرا ایڈیشن

مُحَمَّدٌ هٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اس ناچیز نے آج سے ۲۷ سال پہلے ”فن اسماء الرجال“ کے عنوان پر اردو میں ایک مختصر رسالہ تالیف کیا تھا، جو اہل علم میں بے حد مقبول ہوا، عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، بعض اہل علم کا اس کی طباعت پر اصرار تھا، مگر یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس ناچیز نے عربی زبان میں ”علم رجال الحدیث“ کے عنوان پر مفصل کتاب لکھی ہے، جس کو اس موضوع کا ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا قرار دیا گیا ہے، اور مختلف عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں مرجع کے اصول پر استعمال ہوتی ہے، یس مرتبہ طبع ہو چکی ہے، چوتھی مرتبہ طباعت کی تیاری ہو رہی ہے، آخری مرتبہ ”مکتبۃ الایمان“ مدینہ منورہ نے شائع کیا ہے۔

اس کتاب پر حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہ کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر اور شیخ احمد عبدالعزیز المبارک چیف جسٹس ابو ظبی کے مقدمات بھی ہیں خیال تھا کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا جائے، لیکن اس کام کے لئے نہ وقت ہے نہ ہی ضرورت کہ یہ کتاب علماء و فضلاء کے لئے خاص ہے، ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے، فن اسماء الرجال سے تعارف کے لئے یہ اردو رسالہ کافی ہے۔

اس لئے عزیز مولوی حبیب الرحمن قاسمی کی زیر نگرانی ”جامعہ اسلامیہ“ مظفر پور کی طرف سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نافع و مقبول بنائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ

تقی الدین ندوی

اگر آپ کو کسی بھی سوفٹ کاپی میں کتاب کی ضرورت ہے تو ہماری نیچے دی گئی سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر لیں۔

**www.Quranmualim.com**

اگر آپ کو کوئی بھی سوفٹ کاپی میں کتاب چاہیے تو ہمیں متوجہ کریں یا ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔ ہمارا فیس بک گروپ جوائن کریں۔ شکریہ

**Facebook Page: Alasad online QURAN TUTOR**

## مقدمہ

### از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اَمَّا بَعْدُ  
حکمت الہی کی یہ ایک عجیب کار فرمائی ہے کہ ایک نبی اُمّی کو ایک ایسی امت عطا  
ہوئی جس نے علم کی خدمت و اشاعت ہی نہیں، اور علوم کی تکمیل و توسیع ہی نہیں بلکہ جدید  
علوم کی وضع و تدوین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال گزشتہ تاریخ اور سابقہ امتوں  
میں نہیں مل سکتی، اس نے تصنیف و تالیف کے میدان میں ساری گزشتہ اقوام اور ملتوں  
کو پیچھے چھوڑ دیا، اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا عظیم اور وسیع کتب خانہ اس کی محنتوں اور  
کاوشوں سے وجود میں آیا، جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں، جس نبی کو قرآن مجید میں  
”اُمّی“ کے لقب سے کسی بار یاد کیا گیا اور جس کے متعلق یہ صراحت کی گئی :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ  
كِتَابٍ وَّلَا تَخْطُوْهُ بِمِیْنِكَ  
اِذَا الَاسْرَتَا بَ الْمُبْطِلُوْنَ -  
اور نہیں تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کوئی  
کتاب اور نہ لکھتا تو اس کو اپنے داہنے  
ہاتھ سے اس وقت البتہ دھوکا کھاتے

(سورہ نمل ۵۷) جھوٹے۔

اس کو ایسی امت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شغف و انہماک اور علم سے عشق اور اپنی بلند ہمتی اور خدمتِ علم میں اپنے ایثار اور قربانی میں بے نظیر ہو، محض اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرتِ الہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر میں اور مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کے صفحات پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیوں اور کس طرح ہوا؟ عارف شیرازی نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ،

یتیمے کہ ناکردہ متر آں درست  
کتب خانہ چند ملت بشت

لیکن یہ معجزانہ عمل صرف سلبی معجزہ نہ تھا اور اس کا دائرہ صرف قدیم ذخیرہ پر خط نسخ پھیر دینے میں محدود نہ تھا، بلکہ یہ ایک عظیم الشان تعمیری، ایجابی و احیائی معجزہ بھی تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اتنے ذخیرہ کو جو اپنی زندگی اور بقا کی صلاحیت اور افادیت کو کھو چکا تھا، بے کار نہیں کیا، جتنا اس نے دنیا کو کار آمد، لازوال اور حیات بخش ذخیرہ عطا کیا۔ اس نے اگر چند ملتوں کے ان چند کتب خانوں پر پانی پھیر دیا جن کے نقوش نہ صرف یہ کہ اپنی آب و تاب کھو چکے تھے بلکہ دنیا کی غلط فہمی اور گمراہی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے، تو اس نے اس کے مقابلے میں دنیا کو وہ کتب خانے عطا کئے جو حقائقِ ابدی، علومِ صحیحہ اور ہدایتِ ربانی پر مشتمل تھے اور جو کسی زمانے میں خزاںِ رسیدہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے۔

ان علومِ اسلامیہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن لی وضع و تدوین کا سہرا اس امت کے سر ہے، اور جن کے ظہور میں آنے کا سبب و محرک قرآن مجید کا فہم اور تعلیماتِ نبویؐ کی حفاظت تھا۔

”علماء اسلام نے مختلف ملکوں اور عہدوں میں ان علوم کی تاریخ نشو و ارتقا اور علماء اسلام کی تصنیفات کے تذکرہ اور تعارف میں ضخیم و مفصل کتابیں لکھی ہیں، جن میں دورِ اول کی ”الفہرست لابن الندیم“ اور دورِ متوسط کی ”کشف الظنون“ للعلی بہت مشہور ہیں، جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا تعلق ہے، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی کتاب ”معارف

العوارف فی انواع العلوم والمعارف" جسے "الثقافة الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے  
 دمشق کی سرکاری اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے شائع کیا ہے، ایک نظر ڈال لینی کافی  
 ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ صرف ایک ملک میں مختلف اسلامی علوم پر علماء اسلام  
 نے کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

جہاں تک علمی و فنی اصطلاحات کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں بھی سب سے بڑا کام ہندوستان  
 ہی میں انجام دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالنبی احمد مگرمی کی کتاب "دستور العلماء"  
 اور قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" کا نام لینا بالکل کافی ہے  
 جو اس موضوع پر بلاد عربیہ میں بھی سب سے بڑا مرجع اور مآخذ سمجھی جاتی ہیں، یوں تو تمام  
 علوم علماء اسلام کی بلند ہمتی اور ذوق جستجو کے شاہد ہیں، لیکن بلا خوف تردید کہا جاسکتا  
 ہے کہ علماء اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی اور جس  
 میں انہوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موثر گافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فن حدیث

ہے، کسی صاحب نظر کا مقولہ ہے کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی  
 ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہنچ گئی اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور گویا پختہ  
 ہو کر بالکل کھری ہو گئی، اور ان کے الفاظ میں "کلیج و احترق" اس تیسری قسم میں انہوں نے  
 حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال و ارتقاء کے آخری منازل تک پہنچ کر نشانہ کو پار کر گیا،  
 اور اس میں اب کسی آدمی کے لئے کوئی بات پیدا کرنا اور عامیانہ الفاظ میں کوئی نئی کوڑی  
 لانا تقریباً ناممکن ہو گیا، نہ صرف فن روایت اور متن حدیث بلکہ متعلقات علم حدیث، اسام  
 الرجال، فن جرح و تعدیل، اصول حدیث اور علل حدیث میں محدثین اور نقاد حدیث نے  
 جو باریکیاں پیدا کی ہیں، جن موثر گافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ دہی اور دیدہ ریزی  
 کا ثبوت دیا ہے، اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر  
 ڈالنے ہی سے ہو سکتا ہے، جن میں اکثر مشہور اور مستند مصنفین کا نام پیش نظر کتاب میں آ گیا  
 ہے اور جا بجا ان کے اقتباسات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔



قدرتی طور پر فنِ حدیث سے متعلق ساری کتابیں عربی میں تھیں، اور وہی عالمِ اسلام کی تصنیفی اور علمی زبان رہی ہے، اور ان کتابوں کا حلقہ بھی اہل فن اور اہل درس تک محدود رہا ہے، ہمارے اردو زبان جس میں دینیات کا بڑا ذخیرہ منقل ہو گیا ہے اور جو اسلامی تصنیفات کے لحاظ سے عربی کے بعد مسلمانوں کی دوسری زبان کہی جاسکتی ہے، عرصہ ہوا اس نے فارسی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اس زبان میں زیادہ تر حدیث کے متون کے تراجم ہوئے حدیث کی تاریخ و تدوین یا محدثین کے سیر و تراجم پر کتابیں لکھی گئیں، لیکن رجال، فنِ جرح و تعدیل، شرائط قبول حدیث، علل و اسقام حدیث، فنِ اسناد، مختلف ائمہ حدیث کے معیار صحت و ضعف موضوعات وغیرہ پر بہت کم توجہ کی گئی جس سے وہ اردو والی حضرات یا ضعیف الاستعداد طلباء، مدارس فائدہ اٹھا سکتے، جو کسی وجہ سے ان مآخذ سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے۔

عزیز گرامی مولوی تقی الدین ندوی سلمہ تعلیم یافتہ طبقہ کے شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ انہوں نے پہلے ”محدثین عظام“ کے نام سے ایک متوسط کتاب لکھی، جس میں محدثینِ کرام کی شخصیتوں اور اجمالی طور پر ان کے علمی کارناموں کا تعارف ہوا، اب فنِ اسماء الرجال اور منسنون حدیث پر وہ دوسری کتاب پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اس فن کی معتد کتابوں کا بڑا قابل قدر اور لائق استفادہ خلاصہ، ان کی تحقیقات کے نتائج آگئے ہیں۔

عزیز موصوف نے دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم میں رکر محنت و ذوق کے ساتھ حدیث پڑھی اور اس کا مطالعہ کیا، پھر کچھ عرصہ بقیۃ السلف برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی خدمت میں رہ کر ان کے علمی ذخیروں اور ذاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، اور ان کے درس میں بھی شرکت کی، تدریسی صلاحیت اور ذوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو تصنیفی صلاحیت و ذوق بھی عطا فرمایا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسا مدرس جس نے سالہا سال تک کسی فن کی تعلیم دی ہو، اس فن کی مشکلات، طلباء کی صحیح ضرورتوں، ان کے ذہن اور ان کی استعداد سے واقف ہو سکتا ہے، اور اس فن کی چھپی ہوئی اور نکھری ہوئی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہے۔ ان سب کی خصوصیات کی بنا



پر اس کی امید ہے کہ یہ کتاب عربی داں تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اس فن کے تعارف اور اس سے اجمالی واقفیت کا ذریعہ اور طلباء مدارس کے لئے معاون و رہنما ثابت ہوگی۔  
 اللہ تعالیٰ اس سے تمام قارئین اور طلباء مدارس کو نفع پہنچائے، اسلاف کی گرانقدر اور بے نظیر خدمات کی قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اس فن کے اصل مآخذ اور مستدیم مراجع کے مطالعہ کا شوق ان کے سینہ میں موجزن ہو۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ابوالحسن علی ندوی

دارہ شاہ علم اللہ رائے پٹی  
 شنبہ، ۳ شوال المکرم ۱۴۸۸ھ  
 ۲۳ دسمبر ۱۹۶۸ء

# حرف آغاز



مَحَمَّدٌ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

آٹا بکد! یہ کتاب جو فنِ اُسماء الرجال، جرح و تعدیل اور اس کے متعلقات کے تعارف اور اصول و ضابطے کے بیان پر مشتمل ہے، آخری باب میں اس فن کی اہم و مشہور کتابوں کا اجمالی تعارف بھی ہے اور ان کے مطبوع و مخطوط ہونے کی نشاندہی

ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا ابتداء خیال فاضل گرامی مولانا مناظر حسن گیلانی کی کتاب ”تدوین حدیث“ کے مقدمہ سے پیدا ہوا، جس میں انھوں نے اس فن پر اپنے ایک مقالہ کا ذکر کیا ہے، مگر افسوس کہ وہ منظر عام پر نہ آسکا۔

چونکہ عرصہ سے حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز کو حدیث پاک کے پڑھنے و پڑھانے کا موقع عطا فرمایا ہے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ طلباء کو فنِ جرح و تعدیل کے اصول و ضابطے اور اس فن کی مشہور و اہم کتابوں سے متعارف کرایا جائے، تاکہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ کا سلیقہ پیدا ہو سکے، اور وہ اس بحسب

میرے پیش نظر خصوصیت سے مدارس عربیہ کے طلباء میں، مگر ساتھ ہی اس کی بھی رعایت ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہو اور مسلمانوں کے اس عظیم کارنامہ کا جو انہوں نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کی ضرورت کے تحت ایجاد کیا، اس کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

یورپ کے مستشرقین اور ان کے مشرقی تلامذہ و مقلدین کی عرصہ سے ناپاک کوشش ہے کہ علم حدیث جو درحقیقت قرآن کا بیان و شرح ہے، اس کو ایک صدی بعد کی ایجاد ثابت کیا جائے، تاکہ اسلام کا نظام اور اس کا پورا تمدن و معاشرہ ایک مجہول حقیقت بن کر رہ جائے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ فنِ جہالِ جرح و تعدیل کے ضابطے اور محدثین کی اس سلسلہ میں غیر معمولی دیانت داری اور ان کی جانفشانیوں کا اجمالی مرقع پیش کر دیا جائے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کی اجمالی فہرست اخیر کتاب میں درج کر دی گئی ہے۔

میرے استاد و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدنیو ضہم جن کی قوجہ و برکت سے یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے، انے اس کتاب کی تکمیل کے لئے خصوصیت سے تاکید فرمائی اور اس کے بیشتر حصے کو پڑھوا کر سنا، اور اس کی تکمیل پر اظہارِ مسرت فرمایا، اور خصوصیت سے دعائیں دیں۔

ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اس کتاب کو اپنے رسالہ ”الفرقان“ میں کئی قسطوں میں شائع فرمایا، جس سے علمی حلقوں میں اس کی اشاعت ہوئی، جس پر تہہ دل سے ممنون ہوں۔

یہ ناچیز اپنے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا بھی ممنون ہے

لے افسوس کہ یکم شعبان العظم ۱۴۰۲ھ کو حضرت والا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے اور جزائے البقیع میں مدفون ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

کہ انہوں نے ازراہ شفقت اس کے لئے مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔  
 میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے  
 میں کسی نوع کا تعاون کیا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت و دوام عطا فرمائے  
 اور اس ناچیز کی لغزشوں و سیئات سے درگزر فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا  
 موقع عطا فرمائے، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

فقط والسلام

تقی الدین ندوی مظاہری

مظاہر علوم سہارنپور

یوم جمعہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ



الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ أَمَّا بَعْدُ  
فنِ اسماء الرجال پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس  
 شخص کے حالات کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح  
 حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو روایت  
 کیا، انہیں رواۃ حدیث یا راویان حدیث کہا جاتا ہے، جن میں صحابہ کرام، تابعین و تبع  
 تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے راویان احادیث و آثار داخل ہیں۔ ان  
 کے مجموعہ احوال کا نام ”فنِ اسماء الرجال“ ہے۔ جب حدیث و سنت کے سرمایہ کی  
 تدوین ہو چکی، تو ان رواۃ حدیث کے حالات بھی قلمبند کیے گئے، ہر راوی کا نام اس کی  
 کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباء و اجداد کون تھے؟ کس  
 مزاج و طبیعت کے تھے، حافظہ کیسا تھا، تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے کیا درجہ اور  
 معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا، طلب علم کے سلسلے میں کہاں  
 کہاں کی خاک چھانی، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا، غرض ان ہزار ہا راویان  
 حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیا کے قدیم و

جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں، ڈاکٹر اسپنگر نے جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے ”الاصابة في معرفة الصحابة“ کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے :-

”کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں

کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔“

صرف طبقہ اول کے راویانِ حدیث یعنی صحابہ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات میں ایک لاکھ سے زائد تھی، اگرچہ ان کتابوں میں جو صحابہ کرام کے تذکرہ میں لکھی گئیں اور محفوظ ہیں، قریباً صرف دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی نے لکھا ہے :-

”یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال و افعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک

پہنچایا، یعنی انہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی۔“

سلسلہ اسناد حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں، ایک متنِ حدیث، یعنی حدیث کا اصل مضمون جن الفاظ میں بھی راوی نے بیان کیا ہو، اور دوسرا جزو اسناد یعنی بالترتیب ان لوگوں کے اسماء جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

سلسلہ اسناد اس امت کا خصوصی امتیاز ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ :-

”ثقہ راوی کا اپنے اوپر والے ثقہ راوی سے حدیثِ نبوی کو اس

طرح روایت کرنا کہ کڑی سے کڑی جڑی ہو (در بیان میں انقطاع

نہ ہو) یہ وہ نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو

نوازا ہے۔“

تاریخ کو چھوڑیے، دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ جو الہامی کتابیں مشہور و معروف ہیں

انہی کی سند کا حال دیکھ لیا جائے۔  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ آج موجود ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مصنفین کے بیان کے مطابق وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صد ہا سال کے بعد وہ کتابی شکل میں مدون ہوئی ہے۔

عیسائی دنیا کا بڑا حصہ آج صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، ان چار انجیلوں میں سے ایک کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا ہے، بلکہ انہوں نے کسی سے سُن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جا رہا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی متی، مرقس، یوحنا، لوقا) ان کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے جس درجہ کا علمی ثبوت چاہیے، واقعہ یہ ہے کہ موجود نہیں ہے۔ یہی حال دوسروں کے الہامی نوشتوں کا ہے اور ہمارے ہاں ضعیف حدیثوں تک کی سند موجود ہے اور اس سند کے ضعف و عدم ضعف پر دلائل قائم ہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ اسناد کو حدیث کا جزو بنا دیا گیا ہے اور بلا اسناد کے حدیث کو قابل قبول ہی نہیں سمجھا گیا۔ امت کے جلیل القدر امام عبداللہ بن مبارک کا ارشاد ہے:-

الاسناد من الدین لولا الاسناد اسناد جزو دین ہے، اگر اسناد کی پابندی

لقال من شاء ما شاء۔۔۔ نہ ہو تو جس کے جو جی میں آئے کہہ دے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام زہریؒ نے ایک حدیث بیان کی میں نے عرض کیا، اسی کو بغیر سند کے پھر بیان فرما دیجئے، انھوں نے فرمایا ”تم بغیر زینے کے کوٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو۔“

اسی طرح سفیان ثوری نے اسناد کو مومن کا سلاح (ہتھیار) قرار دیا ہے۔

راویان حدیث کی پہلی صف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و



سنت کے اولین رواۃ یعنی صحابہ کرامؓ جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، انکی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت، متانت پر ان کے کارنامے شاہدِ عدل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رؤس الاشہاد بار بار اعلان فرمایا کہ :-

”جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کو قصداً منسوب کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔“

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے وقت کانپ جاتے تھے یہ

بعض صحابہؓ کا معمول تھا کہ جس وقت حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھتے تھے تو کوئی حدیث بیان کرنے سے پہلے ”مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا“ والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرہ حدیث کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہؓ کا دوامی دستور تھا کہ :-

يَبْتَدَأُ حَدِيثَهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ	جب وہ حدیث بیان کرنا شروع کرتے
الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ ابُو الْقَاسِمِ	تو پہلے فرماتے کہ اللہ کے رسول صادق و
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ	مصدق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم
كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا	نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ پر قصداً
فَلْيَنْبَوْا مَقْعَدًا مِنْ	جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں
النَّاسِ -	تیار کر لے۔

قرآن و حدیث میں ان حضرات صحابہؓ کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ

۱۱۱ صحیح بخاری باب اثم من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم ۱۱۱ تذكراً للحفاظ في ترجمت

ابن مسعودؓ ۱۱۱ بقرۃ آیتہ ۱۱۱

دوسری جگہ فرمایا :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حشد ہے "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي" اسی لئے غلامہ نوومی نے امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

كلهم عدول ومتأولون	یعنی صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل
في حروبهم وغيرها	ہیں اور آپس کی لڑائیوں وغیرہ میں تاویل
ولم يخرج شيء من ذلك	کرنے والے تھے، اور ان میں سے کوئی
احدا منهم من العدالة	چیز ان میں کے ایک شخص کو بھی عدالت
لانهم مجتهدون	سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ مجتہد
اختلفوا في مسائل من	تھے، اجتہاد کے مواقع پر ان حضرات
محل الاجتهاد كما يختلف	کا اختلاف ہوا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کا
المجتهدون	اختلاف ہوتا ہے۔

امام الحارثین فرماتے ہیں کہ ان حضرات صحابہؓ کی عدالت میں غور و فکر نہ کرنے کا سبب یہی ہے کہ یہی حضرات دراصل شریعت کے حامل ہیں، پس اگر ان کی روایت میں بھی توقف کیا جائے تو شریعت آپ ہی کے عہد کے ساتھ منحصر ہو کر رہ جائے گی، اور آپ کے وصال کے بعد دین و شریعت کی بنیاد باقی نہیں رہے گی۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے بعد کے رواۃ کی طرح صحابہ کرامؓ پر جرح و تنقید کو ناجائز و مترار دیا ہے، کیونکہ یہ پوری جماعت عادل و ثقہ ہے۔

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا

نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۱۔ آل عمران آیت ۱۴۴ ۲۔ اخرجہ الشیخان ۳۔ شرح مسلم ج ۲ ص ۲۴۳ باب فضائل الصحابہ

۴۔ تدریب الراوی طبع قدیم ص ۲۰۳

بہر حال صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت پوری امت میں ممتاز و افضل ہے، مگر ان کے آپس میں مختلف درجات تھے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ نبیؐ کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں پیدا کیا گیا، بشریت کے تقاضے سے بعض باتوں کا ان سے حدود ہوا، جیسے حضرت عائشہؓ، نعمان بن عمرو انصاری، مغیرہ بن شعبہ اور وحشیؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں واقعی ان سے بڑی بڑی لغزشوں کا تذکرہ ملتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر ان صحابہ کرامؓ کی طرف کسی زمانے میں اس جرم کے انتساب کی جرأت نہیں کی گئی کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

واللہ ما کنا نکذب ولا کنا ندری ما الکذب ۛ  
 واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کذب کسے کہتے ہیں۔  
 حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

لیس کلنا کان یسمع  
 حدیث رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کانت لنا  
 ضیعة و اشغال و لکن  
 الناس لم یكونوا یکذبون  
 یومئذ فیحدث الشاهد  
 الغائب ۛ  
 ہم میں سے سب ہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں سن سکتے تھے، ہمارے پاس جائیدادیں اور بہت سے مشاغل تھے، لیکن اس دور میں لوگ (صحابہ کرامؓ) جھوٹ نہیں بول سکتے تھے (حضورؐ کی حدیث کو حاضر غائب تک پہنچاتا تھا۔

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۱۲ ۛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۲۹۳ ۛ حوالہ مذکور ج ۳ ص ۲۸۳ ۛ الجامع الاخلاقی الراوی و آداب السامی ص ۱۲ و اورده السیوطی فی مناقح الجنۃ

۲۵ ۛ المحدث الفاصل ج ۳ ص ۳۲ و ۳۳ ۛ الجامع الاخلاقی الراوی ص ۱۲

حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

”ہم لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) باہم ایک دوسرے کو مشہم نہیں کرتے تھے۔ یعنی ہم میں سے کوئی دوسرے کے بارہ میں یہ بدگمانی نہیں کرتا تھا کہ وہ دانستہ غلط بیانی کر رہا ہے حالانکہ ہمیں بکثرت ایسی مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ اس اعتراض کے سوا دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان میں آپس میں رواج تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث سنا کہ ”تَوَضُّؤُا مِمَّا غَدِرَتِ النَّاسُ“ (اگ پرچی ہوئی چیز کھانے سے وضو کر لیا کرو) الخ حضرت ابن عباسؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کیا گرم پانی استعمال کرنے سے بھی وضو کروں؟

”حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ ابو ہریرہؓ کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسی طرح ”اِنَّ الْمَلِيَّتَ يَعْذِبُ بِبِكَاءِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ“ (گھر والوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے) اس حدیث کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحب زادے ابن عمرؓ بیان کرتے تھے، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے سنا، تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، مگر کن الفاظ میں فرمایا۔ ”رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ وَابْنَ عُمَرَ مَا هُمَا بِكَاذِبَيْنِ وَلَا مَكْذِبَيْنِ وَلَا مُتَزَيِّدَيْنِ“ (رحم کرے اللہ عمرؓ اور ابن عمرؓ پر نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے ہیں) اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں، بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۳۲۲ ۲۔ رواد ابن ماجہ باب الوضوء ما غیرت النار ۳۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۱  
۴۔ اس پر ایک نہایت لطیف تقریر حضرت الاساذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقفہ کی ہے، ملاحظہ ہو الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۲۲۷۔

ان احادیث میں اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اس کی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو  
 شروح حدیث فتح الباری وعمدة القاری وغیرہ۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ صحابہ  
 کرام کا باہم مراد معنی کی تعیین میں اختلاف بھی ہوا ہے۔ مگر کسی صحابی نے دوسرے  
 صحابی پر کذب علی النبی کا الزام نہیں لگایا، جب فاطمہ بنت قیس کی طلاق والی حدیث  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو فاروق اعظم نے اس کو قرآن و سنت  
 نبوی کے خلاف سمجھتے ہوئے بھی بھول چوک اور نسیان سے آگے کی کوئی بات ان کی  
 روایت کے متعلق نہیں کہی، بلکہ فرمایا۔

لَا تَرْكُ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ  
 نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا سُدْرِي  
 أَحْفَظْتُ أَوْ نَسِيتُ ۖ  
 اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت  
 کو کسی ایک عورت کے بیان کی وجہ  
 سے ہم نہیں چھوڑیں گے، جس کے  
 متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے بات  
 ٹھیک ٹھیک یاد رہی یا بھول گئی۔

اسی لئے علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اگر ایک صحابی دوسرے صحابی کے لئے  
 كَذَبَ فُلَانٌ کہے تو اس سے جھوٹ کے معروف معنی مراد نہیں ہوتے، بلکہ اس کے  
 معنی خطا، اجتہادی کے ہیں، ابن حبان کتاب الثقات میں تحریر فرماتے ہیں،  
 اهل الحجاز يطلقون كذب  
 في موضع اخطأ۔ اہل حجاز کا محاورہ ہے کہ وہ اخطأ  
 کی جگہ کذب بولتے ہیں۔  
 علامہ خطیب بغدادی صحابہ کرام کے فضائل و مناقب میں بہت سی آیات و  
 احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-  
 وجميع ذلك تقضى القطع  
 یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گئے)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عین الاصابہ فیما استدرکت عائشہ علی الصحابہؓ:-

۲۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۱ ۳۔ مقدمہ منہج الباری ص ۲۶

بتعدیلہم ولا یحتاج  
 احد منهم مع تعدیل  
 اللہ لہ الی تعدیل احد  
 من الخلق علی انہ لو  
 لم یرد من اللہ عزو  
 جل ورسولہ فیہم  
 شئی مما ذکرنا لا وجبت  
 الحال التي كانوا علیہا  
 من الجہاد والہجرة  
 والنصرة وبذل المہج  
 والاموال وقتل الآباء  
 والاولاد والمناصحة فی  
 الدین وقوة الایمان و  
 الیقین القطع بتعدیلہم  
 والاعتقاد لنزاہتہم وانہم  
 افضل من جمیع الخالفین  
 بعدہم والمعدلین  
 الذین یجیئون فی بعدہم  
 ہذا مذہب کافة  
 العلماء<sup>(۱)</sup>

ان کی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی  
 ہیں، ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ  
 کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی  
 تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔ ان صحابہ  
 کرامؓ کے متعلق اگر اللہ اور رسول کے  
 وہ ارشادات وارد نہ بھی ہوئے ہوتے  
 جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں  
 ان کی مدح اور تعریف و توثیق کی گئی  
 ہے، تب بھی ان کے جو حالات تھے  
 یعنی راہِ خدا میں جہاد، ہجرت و نصرت  
 جان و مال کی قربانی اللہ کی رضا کیلئے  
 اپنے آباء و اجداد اور اولاد و اقارب  
 کے قتل پر بھی آمادہ ہو جانا اور دین کی  
 خیر خواہی اور اللہ و رسول کی وفاداری  
 اور ایمان و یقین کی قوت، تو جو شخص بھی  
 ان کے ان حالات کو پیش نظر رکھے گا وہ  
 قطعی طور سے ان کے عادل ہونے (یعنی  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
 وہ غلط بات کا انتساب نہیں کر سکتے تھے)  
 اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ

کرے گا اور یہ کہ یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں اور بعد کے عدالت بیان  
 کرنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

ابو زرعہ رازی جماعت صحابہ کی عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں :-  
 ”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 صحابہ کرام میں سے کسی فرد کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق  
 ہے، اس لئے کہ رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور جو کچھ رسول  
 لاتے ہیں وہ برحق ہے۔ ان سب کے ہمارے لئے صحابہ کرام  
 ناقل ہیں۔ یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں کہ  
 کتاب و سنت کو باطل کر دیں، اس لئے یہ خود بدرجہ اولیٰ مجروح  
 ہیں۔ بلکہ ان حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں اہل بدعت کا  
 زور نہ چلتا تھا، جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی  
 طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا۔ امام بخاریؒ نے  
 تاریخ کبیر میں قتادہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت انس  
 بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے :-  
 ذهب اليوم نصف العلم (آج نصف علم اٹھ گیا) جب  
 ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیوں کر؟ تو کہنے لگے کہ :-

كان الرجل في اهل	جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص
الاهواء اذا خالفنا في الحديث	کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت
قلنا تعال الي من سمعه	کرنا تو ہم اس سے کہا کرتے کہ آؤ ان
من النبي صلى الله عليه	کے پاس چلو جنہوں نے خود آنحضرت
وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ  
 حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۴ھ  
 میں ہوا ہے۔

فتح المغیث ص ۳۷۵ تہذیب التہذیب ترجمہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ



تاریخ شاہد ہے کہ حضرات صحابہؓ اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی تعامل و توارث اور حفظ و کتابت کی راہ سے پاسبانی کی، اور ان حضرات نے دین کی اس امانت کو اپنے شاگردوں یعنی تابعین تک بے کم و کاست پہنچایا۔

راویانِ حدیث کی دوسری صفہ یعنی تابعینؓ تابعینؓ ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں مگر آپ کی زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں، اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہو سکے ہوں، یا آپ کی وفات (ربیع الاول سال ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہوں، یہ سب تابعین میں داخل ہیں۔

یہ جماعت تابعین ”وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ“ کا مصداق ہے، یہ طبقہ اگرچہ صحابہ کرامؓ کے مرتبہ پر نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے، انہوں نے صحابہؓ کی زندگی کو اپنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع، حالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں بلیغ اہتمام کیا، صحابہ کرامؓ سے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو پوچھ پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر، بوڑھے جوان، مرد و عورت سے تحقیق کر کے حدیث و سنت کے ذخیرے کی حفاظت کی۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دن رات ایک کر کے گوشہ گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اہم کچھول مشقی جلیل القدر تابعی ہیں، اپنی تعلیمی رُوداد بیان کرتے ہیں:-

اعتقت بمصر فلم اراع بها      میں مصر میں غلامی سے آزاد کیا گیا، آزاد

علماء الاحویثہ فیما ری ہونے کے بعد مصر میں علم (مراد علم  
شم اتیت العراق شم حدیث) کا جو ذخیرہ تھا، جہاں تک  
المدينة فلم اذع بہما میرا خیال ہے اس پر میں حاوی ہو گیا  
علماء الاحویثہ فیما پھر عراق پہنچا، اس کے بعد مدینہ  
اسری شم اتیت الشام منورہ حاضر ہوا، ان دونوں شہروں  
فغریبتہا ۛ میں جو علم پھیلا ہوا تھا اس کو بھی میں  
نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں سمیٹ لیا، پھر شام آیا اور یہاں کے علم کو میں نے  
چھلنی میں چھان لیا۔

علم حدیث کی طلب میں اور اس کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک شہر  
میں ہزار ہا طالبین ہوتے تھے، محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی ہیں بیان فرماتے ہیں  
قدمت الکوفۃ وبھا اربعۃ میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے ہزار ہا  
الاف یطلبون الحدیث ۛ طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے ”معرفة علوم الحدیث“ کی ”انواع التاسع والاربعین“  
میں زیر عنوان ”معرفة الائمة الثقات المشہورین فی التابعین واتباعہم“  
ممن یجمع حدیثہم للحفظ والمذاکرۃ والتبرک بہم و بذکرہم فی  
الشرق الی الغرب“ (یعنی تابعین اور تبع تابعین میں سے ان مشاہیر ائمہ ثقات کا  
تعارف جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ کے لئے اور ان سے اور ان کے ذکر سے برکت حاصل  
کرنے کے لئے مشرق سے لے کر مغرب تک یعنی سارے عالم اسلامی میں جمع کی  
جاتی ہیں) بلاد اسلامیہ کے ان تمام ائمہ ثقات تابعین و تبع تابعین کے نام لگاتے  
ہیں جو دنیا ئے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے، اور اس عنوان کے تحت  
آسکتے تھے۔

حضرات تابعین کے جو حالات مذکورہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے حدیث و سنت کی تحصیل میں ہر طرح کی قربانیاں دیں اور علم کی جو دولت انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابہ کرام سے ملی تھی اور حدیث و سنت کا جو سرمایہ تعامل و توارث اور حفظ کتابت کی راہ سے منتقل ہو کر ان حضرات کے پاس آیا تھا، اس کو انھوں نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ یعنی تبع تابعین کے حوالہ کیا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبقہ تابعین میں انتہائی تحقیق و تفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا۔  
حافظ سخاوی حدیث ”مرسل“ کے باب میں فرماتے ہیں:-

ان احتمال الضعف بالواسطة	ضعف کا احتمال واسطے میں جہاں
حيث كان تابعيا لاسيما	تابعی ہوں، بالخصوص کذب کی بنیاد پر
بالكذب بعيد جدا، فانه	بہت ہی بعید ہے، کیونکہ آنحضرت
صلى الله عليه وسلم اتى	صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے عصر
على عصر التابعين وشهد	کی مدح کی ہے اور صحابہ کے بعد انکے
له بعد الصحابة بالخيرية	زمانے کے لئے بھی بھلائی کی شہادت
كما تقدم بحديث استدل	دی ہے۔ چنانچہ اس سے قرون ثلاثہ
بذلك على تعديل اهل	(صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے ادوار)
القرون الثلاثة وان	کی عدالت پر استدلال کیا گیا ہے اگرچہ
تفاوتت منازلهم بالفضل	فضیلت کے لحاظ سے ان کے درجات

میں تفاوت ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

لہ بحیث حدیث ۱۴۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ۲ فتح المغیث ص ۵۶

”پہلی صدی ہجری جو صحابہ و تابعین کے دور میں گزری، اس میں حارث اعمور اور مختار کذاب جیسے اکاذب کا اشنا خاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایہ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی۔

حافظ سخاوی فرماتے ہیں :-

”خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے بزم عالم خالی ہو گئی اور ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے۔“

**فِتْنَةُ كَاعَبَزَار** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں تقدیر الہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ فتنوں نے سبز نکالا اور اسلام کے خلاف ایک عجیب و غریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سباؓ یہودی تھا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ یاد کرایا جائے کہ صحابہ کرامؓ میں سے نہ تو کوئی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپؐ سے انھیں کوئی عقیدت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جماعت صحابہؓ سے اگر اعتماد اٹھ جائے تو دین کا سارا ایوان ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا، بالآخر اسی کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ موقع پا کر یہ سبائی پارٹی حضرت علیؓ کی فوج میں گھل مل گئی۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ جنگ ”جمل“ کا واقعہ مطلقاً پیش نہ آتا۔ اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوتی جنگ ”جمل“ کے بعد مصغین و خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس موقع سے

فائدہ اٹھا کر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سروپار روایات پھیلاتی رہی یہ  
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ”اول من کذب عبد اللہ بن سبا“ روایات  
کے سلسلہ میں جس شخص نے جھوٹ چلایا وہ عبد اللہ بن سبا تھا (یعنی اس نے سب سے  
پہلے جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کی کوشش کی، بالآخر حضرت علیؑ اس سازش  
سے واقف ہوئے اور آپ تک عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں پہنچائی گئیں  
حضرت والا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:-

”وما لی ولہذا الخبیث الاسود“ اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا علاقہ،  
اور اعلان عام کر دیا کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، بالآخر  
حضرت علیؑ نے اس جماعت سے دار و گیر میں سختی سے کام لیا۔  
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:-

قد احرقہم علیؑ فی  
خلافتہؑ  
یعنی ان لوگوں کو حضرت علیؑ نے اپنی  
خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوا دیا۔

فی الواقع یہ لوگ حضرت علیؑ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے یہ  
اس جماعت کے نمائندے کوفہ، بصرہ، شام، مصر و حجاز ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے  
اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس  
جماعت کی سازش سے آگاہ کیا۔ علامہ ذہبی نے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے:-

قاتلہم اللہ ای عصابة  
بیضاء سودوا ای حدیث  
من حدیث رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم افسدوا۔  
خدا انھیں ہلاک کرے، کتنی روشن  
جماعت کو انہوں نے سیاہ کیا اور رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو  
انہوں نے بگاڑا۔

۱۔ ماخوذ از تدوین حدیث ص ۳۲ از مولانا گیلانی ۲۔ لسان المیزان ص ۲۸۹ ج ۳ لسان المیزان ص ۲۸۹  
۳۔ حوالہ مذکور ص ۲۸ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۳ ج ۱،

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

”دور صحابہؓ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت جو (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت جو حضرت علیؓ کی امامت اور عصمت کی مدعی تھے بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض اُلُوہیت تک کے قائل تھے لیچے۔“

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کے ظہور کی تاریخ بیان ہے، ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضع حدیث کا کام روافض نے انجام دیا ہے۔ وضع حدیث اور اسکے اسباب پر مفصل کلام مصطفیٰ باعی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ”السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي“ میں کیا ہے، اگر کوئی اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ظہور فتنہ کے بعد روایت حدیث میں حیا طبعی تدابیر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی، سبائی پارٹی جو جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کے لئے کوشاں تھی، چونکہ اس کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گیا تھا، اس لئے اس فتنہ کے رونا ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے صحیح و غلط کے درمیان امتیاز پیدا

کرنے کے لئے ایک عمومی ضابطہ بیان مسترمایا، جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے۔  
 حدثوا الناس بما یعرفون      لوگوں سے انھیں باتوں کو بیان کرو  
 ودعوا ما یسکرون      جنھیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ  
 آشنا نہ ہوں، ان کو بیان نہ کرو۔

حافظ ذہبی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-  
 ”حدیثوں کے پرکھنے کے لئے یہ ایک معیار و کسوٹی ہے کہ منکر و  
 وابی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے۔ خواہ فضائل  
 سے متعلق ہوں یا عقائد و رقائق سے، اور اس سے واقفیت  
 رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“

اللہ رب العزت جس نے اپنے دین کو قیامت تک اپنی اصلی و صحیح صورت میں باقی رکھنے کا  
 فیصلہ فرمایا ہے اور اس کا یہ فیصلہ کہ اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اہل ابواء  
 و محدثین کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اس لئے امت میں ایسے لوگوں کو اس کی حفاظت  
 کے لئے پیدا فرمایا، جنہوں نے حق و باطل، صحیح و موضوع میں تفریق قائم کی اور ان مفسدین  
 کے فتنے سے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پاسبانی کی۔ صحابہ و تابعین اور بعد کے  
 ائمہ نے عہد صحابہ سے تدوین سنت کے زمانہ تک جو کوششیں صرف کی ہیں، انھیں دیکھ  
 کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

بہر حال فتنہ کے بعد علماء امت نے روایت حدیث کے سلسلے میں خصوصیت سے  
 رجال کی تحقیق اور اسناد کا خصوصی التزام کیا۔

استاد کا التزام اور رجال کی تحقیق ظہور فتنہ کے رونما ہونے کے بعد راویان حدیث کے  
 حالات معلوم کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ محمد بن سیرین  
 فرماتے ہیں:-



لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنْ  
الْإِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ  
قَالُوا اسْمُوا لَنَا رِجَالَكُمْ  
فِيَنْظُرُوا إِلَى أَهْلِ السَّنَةِ فَيُؤْخَذَ  
حَدِيثُهُمْ وَيَنْظُرَ إِلَى  
أَهْلِ الْبِدْعِ فَلَا يُؤْخَذَ  
حَدِيثُهُمْ

لوگوں سے اسناد کے بارے میں نہیں  
پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنہ پھیلنا تو  
حدیث بیان کرنے والوں سے یہ کہا جانے  
لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ اگر وہ  
اہل سنت میں سے ہیں تو ان کی روایات  
قبول کی جائیں گی اور اگر وہ اہل بدعت  
میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول نہیں  
کی جائیں گی۔

صحابہ کرامؓ و تابعین جس صدق و امانت اور اخلاص کے مقام پر تھے اس کی بناء  
پر ہر وقت اسناد کا التزام نہیں رکھتے تھے، کبھی سند کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے اور  
کبھی ترک کر دیتے تھے، مگر حدیث کی کتابوں میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ  
صحابہ کرامؓ ظہورِ فتنہ سے پیشتر بھی اکثر اسناد کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے تھے، حضرت  
علی رضی اللہ عنہ نے حضرت برادر بن عازب سے یہ حدیث بیان کی :-  
عَنْ فَاطِمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهَا أَنْ تَحُلَّ فَحُلَّتْ وَنَضَحَتْ الْبَيْتَ  
بِنَضُوحٍ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے  
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نقل کرتے تھے، جن کو وہ براہِ راست  
نہیں سن سکتے تھے۔

صحابہ کرامؓ بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے حدیثوں کو روایت کیا  
کرتے تھے۔ نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانہ جاہلیت میں بھی اشعار  
سے مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۱۱ السنۃ قبل التدوین ص ۱۲۲ بحوالہ الجامع الاخلاقی الراوی

وحکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے۔

اس لئے حدیثوں کو بھی صحابہؓ و تابعینؓ عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے مگر ظہورِ سنت سے پہلے اسناد میں تحقیق و تفتیش کی چنداں ضرورت نہ تھی اور نہ ان کا التزام تھا، لیکن اس کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ :-

”بشیر بن کعب عدوی ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کچھ حدیثیں بیان کرنے لگے مگر حضرت عباسؓ کا یہ حال تھا کہ :-

لَا يَأْذَنُ لِحَدِيثِهِ وَلَا يَنْظُرُ ابن عباس نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے تھے۔

بشیر کو تعجب ہوا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے بشیر کے سامنے اپنا ایک حال ان الفاظ میں بیان کیا :-

انا كنا اذا سمعنا رجلا	ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب ہم
يقول فقال رسول الله صلى	سنے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ صلی اللہ
الله عليه وسلم ابتدأته	علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری نگاہیں اُن
ابصارنا واصغينا اليه اذ اننا	اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور ہم ہر تن
فلما ركب الناس الصعب	گوشش ہو کر اس کی بات کو سنتے تھے
والذلول لم نأخذ من	پھر جب لوگ ہر سرکش (اونٹ) اور غیر
الناس إلا ما نعرف -	سرکش پر سوار ہونے لگے (یعنی غلط و صحیح

میں تیز جاتی رہی اور رطب و یابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے، تو اب ہم صرف انہیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم خود جانتے ہیں۔  
حضرت ابن عباسؓ کے قول کی شرح مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ای ما یوافق المعروف او یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے  
نعرف فیہ امارات الصحۃ موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں  
وسمات الصدق یہ اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں۔  
ابن عباسؓ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور سنتہ اور روایت میں تساہل  
کے بعد عام طور پر صحابہ کرامؓ نے روایات کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و  
احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کر لی تھی تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری  
طرح سد باب ہو جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے تلامذہ یعنی تابعین جنہوں  
نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔  
محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

ہذا الحدیث دین فانظروا یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کر لو  
عن تاحذون دینکم۔ ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین  
حاصل کر رہے ہو۔

شعبی نے ربیع بن خثیم سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی۔  
من قال لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ الامام  
شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خثیم سے دریافت کیا کہ  
آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب  
دیا کہ عمرو بن مسمون اؤوی نے، اس کے بعد میری ملاقات

عمر بن مسمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا عبد الرحمن بن ابی لیل نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیل سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں،

وهذا أول من غش عن  
السناد  
یہ پہلے شخص میں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی و پہچانی ہوتی ہوں، اور ان کو ترک کر دیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں:-

”ہم حدیث کو سنتے تھے اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے، انہیں ہم قبول کرتے ورنہ ترک کر دیتے تھے۔“

اعمش کہتے ہیں:-

”ابراہیم شعمی حدیث کے صراف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چنانچہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں حاضر می ہوتی اور

امام اہم شخصی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا ہے۔

**اسناد عالی کی اہمیت** محدثین نے علو اسناد کو ایک قابل فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر واسطے کم ہوں گے، اسی قدر آں حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے قرب زیادہ ہوگا، نیز راویوں کی کمی کی وجہ سے ان کی چھان بین بھی نسبتاً کم کرنی پڑے گی اور خطا و نسبیاں کا احتمال بھی کم ہوگا۔ اس لئے ائمہ فن کے ہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور ان کے تذکروں میں علو اسناد کا ذکر خصوصیت سے کیا جاتا ہے، بلکہ خاص خاص ائمہ کی عالی سندوں کو تو علماء نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کیا ہے اور یہ فن کا ایک مخصوص شعبہ بن گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسناد عالی کے طلب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اسناد عالی طلب کرنا سلف کی سنت ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سن لینے کے باوجود مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے اور وہاں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے تھے اور حدیثیں لکھتے تھے۔

کثیر بن قیس تابعی کہتے ہیں :-

”میں دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً ایک شخص نے ان سے آکر عرض کیا، ابوالدرداء! میں مدینۃ الرسولؐ سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں اور کسی ذمیوی حاجت اور ضرورت سے نہیں آیا، صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں، جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں۔“ حضرت ابوالدرداءؓ نے جب یہ سنا تو فضیلتِ علم کے بارے میں پہلے ایک

حدیث اس شخص کو سنائی، پھر جس حدیث کے سننے کے لیے سفر کیا تھا اس کو سنایا۔

خطیب بغدادی نے عبید اللہ بن ہدی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں نقل کیا ہے، ”مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں دل میں خدشہ آیا کہ کہیں خدا نخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو پھر براہ راست ان سے وہ حدیث نہ سن سکوں گا، بس فورا ہی سفر شروع کر دیا اور ان کی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا۔“  
دارمی نے ابوالعالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ:-

”ہم بصرہ میں بعض صحابہ کرام کی روایات (بالواسطہ) سنتے، مگر جب تک مدینہ منورہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے ہیں چین نہ آتا۔“

حفاظ حدیث کے تذکروں میں جہاں ان کی علمی رھلتوں کا تذکرہ ہے، وہاں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

راویان حدیث کی تیسری صفحہ تابعین اس طبقہ کی روایات تمام تر تابعین کے ساتھ صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ کے احکام و فیصلے کو بھی محفوظ رکھا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ و تابعین کے بعد اس طبقے کے بارے میں خبر و بھلائی کی شہادت دی ہے، فرمایا:-

خیر امتی قری ثم الذین  
میرے دور کے لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ)  
میری امت میں سب سے بہترین  
یلونہم ثم الذین یلونہم۔

۱۔ جامع ترمذی ۹۲/۲ ۲۔ فتح الباری ۱۵۹/۳ ۳۔ سنن دارمی ۴۳/۱ ۴۔ الخیر الترمذی ۲۵/۲

ہیں، پھر وہ جوان کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اس طبقے میں بیشک کذب کا ظہور ہوا، اور اہل ابواء نے حق و باطل اور صدق و کذب کو غلط ملط کرنے کی کوشش کی، مگر حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے طبقہ تبع تابعین میں اصحاب بصیرت امہ و فقہاء امصار کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا جنہوں نے بالقار ربانی و بتائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کئے اور جرح و تعدیل کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے رکھ دیا، جیسے امام مالک، عبد الرحمن بن عمرو، الاوزاعی، سفیان بن سعید ثوری، شعبہ بن حجاج عتقی، ابن جریج وغیرہ۔ اسی طبقہ تبع تابعین میں یحییٰ بن سعید قطان، عبد اللہ بن مبارک، محمد بن حسن شیبانی، ابراہیم بن طہان کا شمار ہے۔

ان حضرات نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پوری طرح پاسبانی کی، خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لئے لایا گیا، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے تو قتل کر دو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے چالو کر دی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا۔

فاین انت یا عدوانہ عن	اے دشمنِ خدا! تو ابواسحق فرزاری اور
ابی اسحق الفزاری و	ابن مبارک سے بچکر کہاں جا سکتا ہے
ابن المبارک؟ ینخلانہا	جوان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک
فیخرجانہا حرقاً حرقاً	حرف نکال پھینکیں گے۔
حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ:-	

”تبع تابعین میں احسنی شخص جس کا قول قبول کیا جاتا تھا

ان کا انتقال ۲۲۰ھ کے حدود میں ہوا ہے، اسی زمانہ میں بدعتوں



کا کھلے عام ظہور ہوا، معتزلہ نے اپنی زبانوں کو دراز کیا، فلاسفہ نے سراٹھایا، اور اہل علم کو خلق قرآن کے مسئلے میں استلاء پیش آیا، حالات میں بہت زیادہ تغیر آگیا، اس وقت تک برابر اغطاط ہی ہو رہا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

**فن جرح و تعدیل** اب تک جو تفصیل کی گئی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ روایت حدیث کی خدمت جن بزرگوں نے انجام دی وہ ثقاہت و عدالت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ آپ کی تعلیمات کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ از ابتدا تا انتہا روایت کرنے والوں کا ایک جانا بوجھا اور پرکھا پرکھایا سلسلہ ہے، حدیثوں کے پرکھنے کے دو معیار ہیں، ایک معیار درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قوانین، اور دوسرا معیار روایت، علم حدیث کے سلسلے میں محدثین نے پینسٹھ سے زائد علوم ایجاد کئے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق درایت سے ہے اور بعض کا روایت (اسناد) سے، جن علوم کا تعلق اسناد سے ہے، ان میں علم جرح و تعدیل سب سے مہتمم بالشان ہے اور فن اسماء الرجال سے ان کا بہت گہرا تعلق ہے، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اس کو علم حدیث کا بڑا زینہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

هو علم يبحث فيه عن جرح الرواة و تعديلهم بالفاظ مخصوصة وعن مراتب تلك الالفاظ

یہ ایسا علم ہے کہ جس میں راویان حدیث کی جرح و تعدیل سے مخصوص الفاظ میں بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب سے بھی گفتگو کی جاتی ہے۔

محمد ماراڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لکچر میں کہا ہے کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ

وسلم کے اقوال و افعال پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے ماہرین فن اگلے لوگوں کے کام پر نظر ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے اور اس میں کوئی کمزوری یا نئے تو اس روایت کو کمزور کہہ دیتے یہ

جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت رِوَاۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا معاملہ بہت پرخطر ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ جرح کرنے والا ہوائے نفسانی سے خالی ہو تاکہ کسی مسم پر اقترا پر دازی یا بے جا تعریف لازم نہ آئے، کیونکہ دونوں باتیں شریعت میں مذموم ہیں۔ اس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو بغیر غور و فکر و واقفیت کے عادل قرار دے دیا گیا تو پھر اندیشہ ہے کہ کہیں اس زمرہ میں شامل نہ ہو جائے جس پر مشہور حدیث ”من روی حدیثا وهو یظن انه کذب“ میں وعید آئی ہے، اور اگر بے احتیاطی سے جرح کر دی تو بے قصور مسلمان کی آبروریزی کی، اور اس پر ایسا بد نما داغ لگا دیا جس کا غار ہمیشہ باقی رہے گا، نیز اللہ و رسول کے ساتھ آدمی کی حق تلفی بھی ہوگی جو آخرت میں نقصان دہ اور دنیا میں ناراضگی اور منافرت کا سبب ہے، اگر اس سے مقصود اللہ و اس کے رسول اور اس کے دین اور مومنین کی خیر خواہی ہے تو یہ بیشک حق ہے اس پر ثواب بھی ملے گا، چنانچہ ابو تراب نخشی نے اپنی سادگی میں امام احمد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ غیبت نہ کیجئے تو امام احمد نے جواب دیا، ”ویمحک هذه نصیحة“ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ یہ غیبت نہیں ہے یہ تو عین خیر خواہی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ  
فَتَبَيَّنُوْا  
اَلَا تَرٰمُ لَوْكَوْنَ كَیْ سَاسَ كُوْنِ فَاسِقٌ خَبِر  
لَاۤیْ تُوْخِبُ تَحْقِیْقُ كَرُوْا۔

نیز ایک منافق کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بئس اخوالعشیرۃ“ (یہ قبیلہ کا برا آدمی ہے) اور تعدیل کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے ”ان عبد اللہ بن عمر رجل صالح“ (عبد اللہ بن عمر ایک صالح آدمی ہیں) اس لئے علمائے محدثین و محققین نے غیبت اور جرح میں فرق کرتے ہوئے اس کو جائز و سترار دیا ہے، اس پر اجماع ہے کہ یہ نہ صرف جائز بلکہ بضرورت واجب ہے۔  
امام ترمذی تحریر کرتے ہیں کہ ”جس اہل علم نے رجال پر کلام کیا ہے اور رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے، ان کو اس پر (و آئندہ اعلیٰ) مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نے آمادہ کیا، کیونکہ ان حضرات کے بارے میں بیجا تنقید اور غیبت کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا، نیز ان حضرات نے جن رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے وہ یا بدعتی ہیں، یا حدیث میں مشہم ہیں، یا یہ لوگ مغفل تھے اور کثرت سے خطا کا صدور ہوتا تھا، پس ان حضرات ائمہ نے دین کے ساتھ خیر خواہی اور کامل احتیاط کے ساتھ پیش نظر ان رواۃ کے حالات کو بیان کیا ہے۔“

علامہ نووی فرماتے ہیں :-

جرح رواۃ الحدیث ہو      یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رواۃ حدیث پر  
جائز بالاجماع بل واجب      جرح جائز ہے بلکہ دینی ضرورت کی وجہ  
للاحتیاج      سے واجب ہے۔

**فن جرح و تعدیل کا آغاز** جرح و تعدیل کا سلسلہ دور صحابہؓ ہی میں شروع ہو چکا تھا، نوار ج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق و تفتیش ہی کے بعد روایت قبول کی تھی، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ :-  
”میں نے اپنی تصنیف ”کتاب المزکیین لرواۃ الاخبار“ میں جن صحابہ و تابعین و ائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے، ان کو دس

طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے چار افراد کو لیا ہے طبقہ اولیٰ میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ ہیں، ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی صحت و سقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابو اسحاق ابراہیم بن حمزہ اصبہانی، ابو علی نیشاپوری، ابو بکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی اور ابو القاسم حمزہ بن علی کنانی مصری ہیں۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ:-

”رجال پر کلام بہت سے صحابہ کرامؓ نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا۔“

امام ترمذی فرماتے ہیں:-

”بہت سے ائمہ تابعین نے رجال پر کلام کیا ہے، جیسے حسن بصری و طاؤس نے معبد جہنی پر اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب پر، ابراہیم نخعی و عامر شعبی نے حارث اعور پر کلام کیا ہے۔“

پہلی صدی کے بعد جب دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ رابعہ کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں:-

”اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۳۲ھ میں منتقل ہوئی۔۔۔۔۔ اسی زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد اور واصل بن عطا نمایاں ہوئے، جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا، جو تعطیل صفات باری تعالیٰ اور خلق قرآن کا داعی تھا اور اسی کے بالمقابل

خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا، جس نے اثباتِ صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچا دی، آخر علمائے تابعین اور ائمہ سلف ان بدعتین کے خلاف اٹھے اور انہوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:-

”جب تابعین کا دور اخیر آیا، یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف پر (باقاعدہ) کلام کیا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ:-

ما سرائت اکذب من میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا آدمی

نہیں دیکھا۔

جابر الجعفی۔

اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف کی اور دوسروں کی توثیق کی، اور شعبہ نے رجال کے بارے میں غور و فکر سے کام لیا یہ بڑے محتاط تھے، اور بجز ثقہ تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے، امام مالک کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دور کے مسلم لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں تو ان کی بات مان لی جاتی ہے۔ معمر، ہشام، دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ابن المبارک، ہشیم، ابواسحق فرزوری، معانی بن عمر موصلی، بشر بن الفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ بعد کو ان ہی کے ہمزبان ایک اور طبقہ ابن علیہ ابن وہب، اور وکیع جیسے حضرات کا ہے

پھر ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ ابوبکر  
اس فن میں حجت گزرے ہیں، تنقید رجال کے لئے اٹھے، یہ یحییٰ  
بن سعید قطان اور عبد الرحمن بن مہدی تھے، سو جس کو یہ دونوں  
مجروح کہہ دیں، اس کی جرح مندرج نہیں ہوتی، اور جس کی دونوں  
توثیق کر دیں وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف  
ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے  
کام لینا پڑتا ہے۔

اس کے بعد حافظ موصوف نے مشہور ائمہ جرح و تعدیل کی ایک فہرست پیش کی ہے دونوں  
کا سلسلہ اپنے استاد شیخ الاسلام حافظ بن حجر عسقلانی پر ختم فرمایا ہے۔  
صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:-

”ان ائمہ جرح و تعدیل میں سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ  
بن حجاج نے کیا، حافظ بن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے  
کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کے بارے میں تحقیق  
و تفتیش سے کام کیا، اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب اختیار  
کیا اور اس فن میں لوگوں کے مقتدرے بن گئے۔ ان کے بعد اہل عراق  
نے ان کی پیروی کی۔“

صالح بن جزرہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ نے کیا، پھر ان کی پیروی یحییٰ  
قطان نے کی، پھر احمد و یحییٰ (ابن معین) نے یہ  
حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ:-

”یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن  
سعید قطان نے کلام کیا، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات

نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی، اور اس کو  
مدون کیا ہے

تاریخ رجال حدیث کی تدوین حقیقت واضح ہو گئی کہ پہلی صدی جو صحابہ کرام اور اکابر تابعین کے دور میں گزری، اس میں جرح و تعدیل کی چنداں ضرورت نہ تھی، اس زمانے میں حدیثوں کے تمام تر روایت کرنے والے صحابہ کرام تھے، جو عادل و ثقہ تھے، ان میں سے کسی فرد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے مگر ان کا ضعف بھی کذب بددیانتی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ قلت ضبط، حافظہ کے ضعف، یا روایت میں تساہل کی بنا پر تھا، بہر حال اس دور تک کسی دروغ گو یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا اس لئے تاریخ رجال حدیث کو قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ محدثین نے باقاعدہ جرح و تعدیل سے کام لیا، اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچا اور پرکھا۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

لما استعمل الرواة الكذب جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا

استعملنا لهم التاريخ تو ہم نے اُن کیلئے تاریخ استعمال کی۔

قاضی حفص ابن غیاث فرماتے ہیں:-

إذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو

بالسنين تو سنیں کے حساب اسکی جانچ کرو۔

(یعنی شیخ کے سن اور جس سے روایت کر رہا ہے اس کے سن کو معلوم کر کے حساب لگالو)

کہ اس نے اس سے ملاقات بھی کی ہے یا ویسے ہی ان سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے۔  
 حسان بن زیاد کہتے ہیں :-

”کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی  
 یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب  
 پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال ولادت ہم سے بیان کر دے  
 اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہے اس کا سن و سنات  
 ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے  
 چنانچہ اسمعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً  
 سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث  
 لکھی تھی؟ کہنے لگا ۱۳۱ھ میں، اس پر اسمعیل نے اس شخص سے  
 کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال  
 کے بعد تم نے اس سے حدیث سنی ہے۔“

حافظ بن عبد البر مالکی جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں :-

وینلزم صاحب الحديث	اور صاحب حدیث کے لئے ضروری ہے
ان يعرف الصحابة المؤدين	کہ ان صحابہ کرامؓ سے واقفیت بہم پہنچائے
للدین عن نبیہم صلی اللہ	جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین
علیہ وسلم وبعنی بسیرہم	کے ناقل ہیں، اور ان کی سیرتوں اور
وفضائلہم وبعرف احوال	ان کے فضائل سے اعتناء کرے، اور
الناقلین عنہم وایامہم و	جو لوگ صحابہ سے نقل کرتے چلے آئے
اخبارہم حتی یقف علی	ہیں، ان کے بھی حالات روزمرہ کے
العدول منہم من	واقعات، اور ان کی اخبار سے باخبر ہو



غیر العدولؑ

تاکہ ان میں عادل اور غیر عادل سے  
واقف ہو جائے۔

محدثین کرام نے اسی ضرورت کے تحت رجال حدیث کے حالات کو قلمبند کیا اور اس  
کو مدون و مرتب کیا ہے۔

مشہور مستشرق ”اوم منتر“ اپنی کتاب ”اسلامی تہذیب و تہمتی صدی ہجری میں  
لکھتا ہے:-

”ناقدین حدیث نے شروع ہی سے راویان حدیث کے حالات  
اور اسماء کو ضبط کرنے، اور ان کے بارے میں ثقہ ہیں یا ضعیف  
حکم لگانے میں خصوصی توجہ کی، پھر ان لوگوں نے اس اساس پر  
نظر ڈالی جس پر یہ حکم مبنی ہے، یعنی راوی کے وہ صفات جس کا  
پورے طور پر ایک ثقہ محدث میں پایا جانا ضروری ہے اور اس  
کی واقفیت جرح و تعدیل ہی سے ہو سکتی ہے۔ نیز محدثین کو سند  
متصل کی ضرورت نے یہاں تک پہنچایا کہ وہ راویان حدیث  
کی زندگی سے بحث کرنے اور ان پر حکم لگانے کے علاوہ انکی  
کامل تاریخ مرتب کریں، اس طرح تیسری صدی ہجری میں تاریخ  
کی کتابیں وجود میں آئیں جیسے تاریخ البخاری و طبقات ابن سعدؑ

لیکن واقعہ ہے کہ دوسری صدی کے اقسام اور تیسری صدی کے آغاز ہی میں باقاعدہ تاریخ  
رجال حدیث و فن جرح و تعدیل پر کتابیں لکھی گئیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ فن جرح  
و تعدیل کے سب سے پہلے مصنف امام یحییٰ بن سعید قطان <sup>۱۹۸ھ</sup> ہیں جن کے بارے میں  
امام احمد بن حنبلؑ فرماتے ہیں کہ ان کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔  
علامہ طاہر جزائری لکھتے ہیں:

”جن لوگوں نے سب سے پہلے (یحییٰ بن سعید قطان کے بعد) فن جرح و تعدیل پر تالیف کی اور کلام کیا، اس طبقت میں یحییٰ بن معین م ۲۲۱ھ احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی و صاحب الطبقات م ۲۴۳ھ و علی بن المدینی م ۲۴۴ھ ہیں۔ ان کے بعد امام بخاری و مسلم و ابو زرہ رازی و ابو حاتم رازی و ابو داؤد سجستانی آئے، ان حضرات کے بعد بکثرت لوگوں نے طبقہ بعد طبقہ ساتویں ہجری کے او آخر تک رجال پر کتابیں تالیف کیں، اور اس پر بحث کی، اور اسکا اہتمام کیا، یہاں تک کہ کتب حدیث میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات میں اس کی تاریخ بہولت نہ معلوم ہو سکے۔“

جرح و تعدیل پر تین طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض لوگوں نے صرف ثقات کے ذکر پر اکتفا کیا، جیسے ابن حبان البستی کی ”کتاب الثقات“ (جو چھپ گئی ہے) اور قاسم بن قطلوبغا کی ”کتاب الثقات“ جو چار جلدوں میں ہے اور میری خلیل بن شاہین کی ”کتاب الثقات“ طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں نے صرف ضعیف راویوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس موضوع پر امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، دارقطنی، عقیلی، ابن الجوزی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں۔ ابن عدی کی کتاب اس میں سب سے زیادہ جامع ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں ان سب رواۃ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن پر کسی نوع کا کلام کیا گیا ہے، اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہوں، اسی طرح انہوں نے بعض ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مخالفین نے ان کی زندگی میں کلام کیا تھا بعض متنفذین

نے ثقات وضعف اور دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس میں امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" "التاریخ الاوسط" "التاریخ الصغیر" ابن حبان کی "کتاب الجرح و التعديل" اور ابن حاتم بلذی کی "کتاب الجرح و التعديل" (طبع ہو چکی ہے) ہے، طبقات ابن سعد (طبع ہو چکی) اس باب میں سب سے بہتر کتاب ہے، حافظ ابن کثیر کی کتاب ہے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والمجاهیل" اس میں مصنف نے علامہ حرمی کی تہذیب اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال دونوں کو مع اپنے زوائد کے جمع کیا ہے جو ایک محدث اور بعد میں آنے والے فقیہ کے لئے بہت مفید ہے۔

جرح و تعدیل میں محدثین کی دیانت داری کی تحقیق و چھان بین میں انتہائی

دیانت داری و حق گوئی کی مثال قائم کی ہے، اس میں انھوں نے اپنے باپ، بیٹے کسی کی رعایت نہیں کی، جو راوی قابل تنقید تھا، اس پر نقد کیا اور جو قابل توثیق تھا، اس کی ثقاہت کو بیان کیا۔ علی بن مدینی جو امام بخاری کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے سر کو جھکایا پھر سر کو اٹھا کر فرمایا کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، امام داؤد ضا السنن نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے۔

زید بن ایسہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیونکہ وہ ضعیف ہے)۔

۱۵ توجیہ النظر ص ۱۱۸ ۱۶ فتح المغیث ص ۱۱۸ ۱۷ مقدمہ صحیح مسلم ص ۲

۱۸ اگرچہ علامہ ذہبی نے توثیق کی ہے اور اس کو جرح مبہم قرار دیا ہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ص ۲۷۲

مسعودی م ۱۵۴ھ ایک محدث ہیں، امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔<sup>۱</sup>

یہی معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار صرفاً اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرافیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔<sup>۲</sup>

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط و دیانت داری کی مثال پیش کر سکتی ہے؟  
محدثین کا وجدانی ملکہ ان محدثین کرام کو حق تعالیٰ شاذ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے و دیکھنے

کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع، حافظ ابن قیم سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے، بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے کہ جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و اوامر و نواہی اور آپ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں، گویا کہ وہ حضور پر نور کی مجلس مبارک میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں؟ یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا امام شافعی کا۔<sup>۳</sup>

صرف اشارہ جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے اسی طرح

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۱۱۔ والاعلان بالتویخ ص ۱۱۵۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۴  
 ۲۔ قواعد التحدیث ص ۱۳۷

یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے۔

ربیع بن خثیم ایک جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں:-

ان من الحدیث حدیثا له  
ضوء كضوء النهار  
ان من الحدیث حدیثا  
له ظلمة كظلمة الليل  
بیشک بعض حدیثی روایتوں میں روشنی  
ہوتی ہے دن کی روشنی کی مانند  
اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے  
رات کی تاریکی کے مانند جس سے ہم اس  
کا (صحیح و غلط) ہونا پہچانتے ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے بسا اوقات  
اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے دلیل طلب کرو، تو وہ دلیل نہیں  
پیش کر سکتا ہے۔

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں:-

”حدیث منکر کو منکر محدث کے روئے کھڑے ہو جاتے  
ہیں اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے۔“

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ ضبلی ”کتاب اللوالب“ میں فرماتے ہیں کہ:-  
”جس کی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقویٰ سے منور  
ہو، اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی  
اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے۔ بعض بزرگانِ دین  
نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس  
کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا

۱۔ تدریب طبع قدیم ص ۸۹ و مقدمہ فتح الہم ص ۵۵ بحوالہ فتح المغیث ص ۵۲ معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۲

والمحدث الفاضل ص ۶۳ ص ۵۲ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳ ص ۵۲ الباعث الخفی ص ۹

ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے  
وَلَنَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا  
ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ  
سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے۔<sup>۱</sup>

حافظ بلقینی کا ارشاد ہے۔

”اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند  
سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں  
سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند ہیں اگر  
کوئی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کے  
بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی  
بات سننے ہی سے اس کی تکذیب کر دے گا۔“

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں۔

”محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر  
حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل  
یہ ہے کہ ان حضرات محدثین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
الفاظ کے کثرت استعمال سے ایک خاص ذوق و ملکہ حاصل  
ہو جاتا ہے جس سے وہ حضور کے الفاظ اور دوسروں کے  
الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں۔“

حدیث کے پرکھنے کے اصول و ضابطے ائمہ محدثین نے اپنے وجدانی ذوق و ملکہ  
سے جو انہیں حق تعالیٰ شانہ کی طرف

سے دیا گیا تھا، حدیث کے متن و اسناد دونوں کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ایسے بھول و ضابطے مرتب کئے کہ مستشرقین یورپ اور ان کے تلامذہ و خوشہ چیں منکرین حدیث بھی اس میں کوتاہی کا الزام نہیں لگا سکتے۔

وضع حدیث کی وہ علامتا جن کا تعلق متن حدیث سے محدثین کرام نے جس طرح راویوں کی صداقت و

دیانت کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے، اسی طرح چند ایسی علامتیں مقرر کی ہیں کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو حدیث قابل قبول نہ ہوگی، ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت و قارِ نبوی کے خلاف ہو، وہ قابل قبول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ رکاکت کا تعلق صرف معنی سے ہے اور اسی کو وضع حدیث کا سبب قرار دیا گیا ہے، اگرچہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو، اس لئے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے، اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے، اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو مجرّد اس کو وضع حدیث کا سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، ممکن ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کی ہو، اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو، لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اس کے الفاظ حضور کے الفاظ ہیں تو البتہ اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔

(۲) جو روایت قرآن، حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) جو عقل سلیم کے خلاف ہو اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو، وہ قابل قبول نہیں۔

(۴) اگر کوئی تاریخی واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہے، اور کوئی روایت اس کے خلاف ہے تو وہ روایت قابل قبول نہیں۔





ہے، حافظ بن حبان نے اس سے پوچھا کہ کب تم شام میں داخل ہوئے؟ تو اس نے کہا کہ ۲۵ھ میں، اس پر حافظ بن حبان نے فرمایا، ہشام! جس سے تم روایت کر رہے ہو اس کا انتقال تو ۲۴ھ میں ہو چکا ہے۔ اسی طرح عبد اللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن ابی یعقوب سے حدیث روایت کی حافظ ابو علی نیشاپوری اس کے پاس آئے اور اس کا سن ولادت معلوم کیا تو اس نے ۲۵ھ بتایا۔ حافظ ابو علی نے کہا کہ محمد بن یعقوب تو تمہاری ولادت کے نو سال پہلے وفات پا چکے تھے، اسی طرح محمد بن حاتم کثی نے عبد بن حمید کے واسطے سے حدیث بیان کی تو حاکم ابو عبد اللہ نے کہا کہ اس شیخ نے عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال بعد اس سے حدیث سنی ہے۔

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اس کے ذاتی رجحانات سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر غنیمی سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس تھے کہ اس کا لڑکا مکتب سے روتا ہوا آیا، تو سعد نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس لڑکے نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے۔ اس پر سعد نے کہا کہ آج میں ان لوگوں کو رسوا کروں گا۔ چنانچہ ایک حدیث بناؤالی: حدثنی عکرمۃ عن ابن عباس مرفوعاً، معلوموا صبیانکم شوارکم، اقلہم مراحمة للیتم و اغلظہم علی المساکین۔ یا مثلاً محمد بن حجاج نخعی جو ہریرہ بیجا کرتا تھا، اس نے ہریرہ کی فضیلت میں ایک حدیث بناؤالی ہے۔

استاد پر نقد کے اصول و ضابطے محمد بن کرام نے راویان حدیث کے نقد کے لئے کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں

۱۔ میزان الاعتدال ص ۲۷۲ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۲ ۲۔ تدریب ص ۱۱۵

۳۔ میزان ص ۲۷۲ ج ۲

جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس راوی کی حدیث قابل قبول ہے اور کس کی قابل ترک، اور کس کی حدیث لکھی جائے گی اور کس کی چھوڑ دی جائے گی، ان متروکین کی اہم قسمیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) وہ لوگ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کر کے بیان کرتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت نہیں لی جائے گی اور یہ کذب علی النبی اکبر الکبار ہے بلکہ علماء کی ایک جماعت نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے، اور ایک دوسری جماعت نے اس کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف، کہ ایسا شخص اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل اور ابو بکر حمیدی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، ان کی رائے ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، لیکن علامہ نووی اس کی توبہ اور اس کے بعد اس کی روایت کو بھی قابل قبول قرار دیتے ہیں، ابوالمظفر سمعانی کا مسلک ہے کہ جو شخص ایک حدیث میں کاذب ثابت ہو جائے، اس کی اس سے پہلے کی بھی ساری مرویات ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں بلکہ

(۲) جو لوگ عام بول چال میں راست گفتاری کے پابند نہ ہوں اور غلط بیانی سے پرہیز نہ کرتے ہوں (انگریز حدیث نبوی کے بارے میں ان کا جھوٹ علم و تجربہ میں نہ آیا ہو) ان کی روایت بھی قابل قبول نہیں، امام مالک کا ارشاد ہے۔

لا یؤخذ العلم عن اربعة	چار آدمیوں سے یہ علم نہیں حاصل
مرجل معین بالسفہ وان	کیا جائے گا، ایک وہ آدمی جس کی
کان یروی الناس ورجل	بیوقوفی آشکارا ہو، اگرچہ وہ بہت
یکذب فی احادیث الناس	زیادہ روایت کرنے والا ہو، اور

وان كنت لا اتهمه ان يكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحب هوى يدعو الناس الى هواه وشيخ له فضل وعبادة اذا كان لا يعرف ما يحدث به له

دوسرا وہ آدمی جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس پر جھوٹ بولنے کی تہمت نہ ہو، بلکہ وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اور چوتھے وہ شخص بھی جو اگرچہ صاحب فضل و عبادت ہو، مگر اپنی بیان کردہ حدیث کی اس کو معرفت نہ ہو، تو اس سے بھی حدیث قبول کی جائے گی۔

عام گفتگو میں جس شخص کا کذب ثابت ہو چکا ہو، ایسا شخص اگر اپنے کذب سے توبہ کر لے اور اس کے بعد اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے، تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی توبہ قابل قبول ہوگی، اور اس کی خبر پر بھی اعتماد کیا جائے گا، البتہ ابو بکر صیرفی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایت اس کے کذب کی وجہ سے چھوڑی جائے گی، اس کے توبہ کر لینے کے بعد بھی اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

(۳) اصحاب البدع والاهواء؟ اسن تواتر حق کا اتفاق ہے کہ کسی مبتدع کی حدیث جب کہ اس کی بدعت موجب کفر ہو، یا وہ کذب کو حلال سمجھے، خواہ اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچتی ہو، اس کی روایت قابل قبول نہیں۔ مبتدعین کی ان قسموں کے علاوہ باقی کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اس کی بھی روایت قابل قبول نہیں، حافظ ابن کثیر فرماتے

ہیں کہ متقدمین و متاخرین کا اس میں اختلاف رہا ہے، اور جس پر اکثر لوگ ہیں وہ یہ ہے کہ داعی و غیر داعی کے درمیان تفصیل ہے۔ یہی امام شافعیؒ سے بھی صراحتہ نقل کیا گیا ہے مگر ابن حبان نے اس پر نقل کیا ہے کہ ہمارے امہ کے نزدیک قاطعہ اس سے استدلال جائز نہیں۔

ولا اعلم فیہ اختلافا۔ (اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

لیکن ابن حبان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ امام بخاریؒ نے عمران بن خطابؓ خارجی سے جو عبد الرحمن بن ملجم (حضرت علیؓ کے قاتل) کا مداح تھا، روایت کی تخریج کی ہے، حالانکہ عمران خارجیہ کا بہت بڑا داعی تھا، نیز امام شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اہل اہوار (بتدعین) کی شہادت میں قبول کروں گا، سوائے روافض میں فرقہ خطابیہ کے، کیونکہ وہ اپنے موافقین کے لئے جھوٹی شہادت کو جائز سمجھتے تھے بلکہ

امام عبد القادر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اخیر زندگی میں اہل اہوار کے بارے میں اپنی رائے سے ہٹ گئے تھے، اور استثناء میں معتزلہ کا بھی اضافہ کر لیا تھا، بتدعین کے بارے میں امہ حدیث کا یہ اصول تو معلوم اور معروف ہے کہ ان کی وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی، جس سے ان کی بدعت کی تائید ہوتی ہو اسی طرح کسی ایسے بتدع کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو اپنی اغراض کے لئے دروغ بیانی کو مباح سمجھتا ہو، اسی لئے ایسے اہل بدعت کی جو صدق و امانت میں مشہور تھے، وہ روایتیں قبول کر لی گئی ہیں جن کا ان کی بدعات سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے عمران بن خطابؓ یہ

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ، بدعت صغریٰ جیسے شیعیت جس میں غلو و زیادتی ہو (مثلاً حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی صرف تفضیل کا عقیدہ ہو) اس طرح کی شیعیت تو بہت سے تابعین و

تبع تابعین میں ان کے تدین و تقوئے اور صدق و امانت کے باوجود تھی، اگر ان لوگوں کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار نبویؐ کا سرمایہ ختم ہو جائے گا، اور اس صورت میں کھلی ہوئی خرابی ہے۔

بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، مثلاً حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی تنقیص کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا، تو اس طرح کے لوگوں کی روایات ہرگز قابل استدلال نہیں، اور نہ ان کا کوئی مقام ہے، بلکہ اس جماعت کا ایک آدمی بھی میرے سامنے ایسا نہیں ہے جو سچا اور قابل اعتماد ہو، بلکہ کذب بیانی ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا محبوب مشغلہ ہے، پھر ایسے لوگوں کی روایات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے، حاشا و کلاً، غالی شیعہ سلف کے زمانہ میں اور ان کی اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاویہؓ اور اس جماعت پر جس نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تنقید کی اور برا بھلا کہا۔ ہمارے زمانے میں اور ہماری اصطلاح میں غالی وہ ہے جو ان اکابر کی تکفیر کرتا ہو، اور حضرات شیخینؓ سے بیزاری اختیار کرتا ہو (معاذ اللہ) پس وہ گمراہ و مفتری ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: 'شیعہ متقدمین کے عرف میں نام ہے شیخینؓ کی تقدیم و تفضیل کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے کا یہ (۴) زنادقہ و نفاق اور وہ مغفل لوگ جو اپنی روایات کا مطلب نہیں سمجھتے اور نہ ان میں ضبط اور فہم کے صفات پوری طرح موجود ہیں، یہ بھی متروکین میں داخل ہیں۔'

وہ لوگ جنکی روایات میں توقف کیا جائیگا ایسے لوگوں کی چند قسمیں ہیں۔

- (۱) جن کی حبر و تعدیل میں اختلاف ہو۔
- (۲) جن سے بکثرت خطا کا صدور ہو، اور ان کی اور ائمہ ثقات کی روایت میں

فرق و اختلاف ہو۔

(۲) نسیان کی کثرت ہو۔

(۳) حافظہ خراب ہو۔

(۵) اخیر عمر میں اختلاط پیدا ہو گیا ہو۔

(۶) وہ راوی جو ثقات و ضعفاء ہر ایک سے روایت لے لیتا ہو۔

مصطفیٰ باعنی مرحوم لکھتے ہیں:-

”ان مضبوط و محکم بنیادوں پر ان حضرات ائمہ نے نقد احادیث اور صحیح و تقیم میں امتیاز کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوششوں کو صرف کیا، بلاشبہ یہ ایسے بے داغ اصول ہیں جن کی قوت و گہرائی اور کفایت کا کوئی منصف انکار نہیں کر سکتا، پھر ہمارے علماء نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ متن (و اسناد) کے تمام علل سابقہ سے محفوظ ہونے کے بعد اس حیثیت سے بھی اس پر نقد کیا کہ آیا اس میں اضطراب، شذوذ و اعلال تو نہیں ہے۔ ایسے ہی انہوں نے اس پر غور کیا کہ اس میں قلب یا غلطی اور ادراج کا امکان تو نہیں ہے۔“

ان کے بہت سے شواہد و امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی و توجیہ النظر وغیرہ کتب اصول۔

جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے اختلاف کی حقیقت حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے جو محکم قاعدے اور

ضابطے محدثین کرام نے مرتب کئے ہیں، ان پر کسی طرح اعتراض کی گنجائش نہیں البتہ

جو لوگ اس مقدس فن سے نا آشنا ہیں اور جن کا مقصد ہی اس فن کو مشکوک بنانا ہے، اُن کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کسی ایک راوی کی صداقت و عدالت میں دو محدثوں کا بھی اتفاق نہیں، اگر ایک محدث اس کو ثقہ قرار دیتا ہے تو دوسرا ضعیف، یا اس کے برعکس معاملہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے اس دعوے پر علامہ ذہبی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

لم یجتمع اثنان من علماء هذا الشأن على توثيق

ضعيف ولا على تضعيف ثقة

مگر واقعہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی کے الفاظ پر معمولی غور کرنے سے اس مفہوم کی تردید ہوتی ہے جو ان لوگوں نے مراد لیا ہے۔

مصطفیٰ سباغی مرحوم لکھتے ہیں۔

”حافظ ذہبی کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل نقد

رجال میں نہایت ثبوت و احتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ ایسا

نہیں کرتے کہ ایک راوی جو ضعیف میں مشہور ہو، اس کی توثیق

کر دیں یا کسی ایسے راوی کو جو ثبوت اور صدق میں مشہور ہے

اس کو ضعیف قرار دیدیں، البتہ ان حضرات کا اختلاف ان

راویان حدیث کے بارے میں ہوا ہے جو ضعیف و ثقاہت

میں مشہور نہ ہوں۔ الغرض یہ حضرات راوی کا اسی حیثیت

سے تذکرہ کرتے ہیں جو اس میں حقیقت ہوتی ہے، حافظ ذہبی

نے اپنے قول ”على توثيق ضعيف ولا على تضعيف

ثقة“ سے اگر وہی مراد لیا ہوتا، جو ڈاکٹر احمد امین وغیرہ

نے سمجھا ہے، تو الفاظ یہ ہوتے ”ما لم یجتمع اثنان على

توثیق را اور ولا علی تضعیفہ " جو رواۃ ضعف یا ثقاہت میں مشہور نہیں ہیں ان کے بارے میں ائمہ فتن کا اختلاف ہوا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں :-

(۱) کبھی یہ اختلاف اہل سنت والجماعت رواۃ کے بارے میں واقع ہوا ہے اور یہ اختلاف عام طور پر ائمہ جرح و

تعدیل کے نقطہ ہائے نظر کے اختلاف پر مبنی ہے جو ان میں باہم ایک راوی کے صدق و کذب یا اس کی عدالت و فسق اور اس کے حفظ و نسیان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲) کبھی یہ اختلاف اہل بدعت رواۃ کے بارے میں ہوا ہے،

اس صورت میں ائمہ جرح و تعدیل نے مجرد مذہبی اختلاف کی بنا پر نقد نہیں کیا ہے بلکہ اپنے مخالف پر جرح اس وقت کی ہے جب اس کی بدعت کفر کی طرف داعی ہو، یا وہ صحابہ کرام پر تنقیدیں کرتا ہو، یا وہ اپنی طاعت کی طرف داعی ہو، یا داعی تو نہیں ہے مگر اس کی بدعت اس کے باطل عقیدہ کے موافق ہو، ان سب صورتوں میں راوی کی عدالت مشکوک سمجھی جائے گی۔ فی الواقع ہرج کا مدار راوی کے صدق و ثقاہت پر ہے نہ کہ مجرد مذہبی اختلاف پر۔ کتب مستہ وغیرہ کتابوں میں بتدعہ کی ایک جماعت سے روایت کی تخریج کی گئی ہے، جن کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، جیسے عمران بن خطان خارجی اور ابان بن تغلب شعی، حافظ ذہبی، ابان



بن تغلب کوئی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ”شیعی لکنہ صدوق

فلنا صدقہ وعلیہ کذبہ“

اہل بدعت رواۃ کی روایت محدثین کرام نے جن شرائط کے ساتھ قبول کی ہے اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جرح کے معتبر ہونے کیلئے اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے کسی راوی پر جرح و نقد کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے

کہ اس کے اسباب بیان کئے جائیں، محدثین کرام نے مستقل ضابطہ بنا دیا ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقد کی جرح میں غلطی و عصبیت بھی شامل ہو جاتی ہے جس میں حقیقت و واقعیت نہیں ہوتی، جیسے اہل حدیث اور اہل رائے کا باہم اختلاف مشہور ہے کہ اہل حدیث اجتہاد کے باب میں اہل رائے سے متفق نہ تھے اس لئے بہت سے ائمہ رائے کو ضعفاء میں شمار کر دیا ہے، حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ان کے زہد و تقویٰ اور جلالتِ شان کے باوجود بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے، اسلئے تعدیل کے مقبول ہونے کے لئے اسباب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کا بیان کرنا اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جس جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی، مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اب اس کے کپڑے ناپاک ہوئے ہوں گے، اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہوگی تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے انھیں کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا؟ تو اس نے جواب دیا نہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جرح لغو و باطل ہے، نیز اس کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممکن ہے کہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو۔

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

بمخلاف الجرم فانہ لا یقبل  
الا مفسرًا لاختلاف الناس  
فی الاسباب المفسقة  
فقد یعتمد الجارح شیئًا  
مفسقًا فیضعفه ولا یكون  
کذلك فی نفس الامر  
او غیرہ و لهذا شرط  
بیان السبب فی الجرح  
بغیر خلاف لہ

بمخلاف جرح کے یہ قابل قبول نہیں  
جب تک کہ مفسر نہ ہو، اس لئے  
کہ فاسق بنانے والے اسباب میں  
لوگوں کا اختلاف ہے، کبھی جرح  
کرنے والا ایک چیز کو موجب فسق سمجھ  
کر جرح کر دیتا ہے اور حقیقت حال  
اس کے خلاف ہوتی ہے، اسی لئے  
بالاتفاق سبب جرح کا بیان کرنا ضروری  
قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں حافظ بن صلاح لکھتے ہیں کہ کوئی جرح مقبول نہیں جب تک  
کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے جو  
موجب جرح نہیں ہوتی، فلا بد من بیان سببہ لیظہر هل هو جرح ام  
لا ۛ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخین وغیرہ حفاظ حدیث کا یہی مسلک ہے ۛ  
یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جرح مبہم صرف ان رواۃ کے بارے میں معتبر نہ  
ہوگی جس کی پہلے کسی محدث نے توثیق کی ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ بن حجر  
فرماتے ہیں کہ جس راوی کی کسی امام فن نے توثیق کی ہے، اس کے بارے میں کسی کی بھی  
جرح اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ مفسر نہ ہو، اور اگر اس راوی کی  
ثقاہت ثابت ہو چکی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے  
کیونکہ ائمہ فن نے اس راوی کی دیانت و روایت کا پورا اندازہ لگا کر اور پرکھ کر فیصلہ

ۛ اختصار علوم الحدیث ص ۱۰۵ مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص ۳۵

ۛ الکفایہ ص ۱۰۵ و لسان المیزان ج ۱ ص ۱۵۱ و تدریب ص ۲۰۲۔

کیا ہوگا، ان کے فیصلے کو باطل کرنے کے لئے صریح دلیل چاہئے، البتہ اگر کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی ہے تو پھر ماہرین کی جرح مبہم قبول کی جائے گی۔ امام بیہقی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جس آدمی کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں کسی کی جسرح اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ واضح طور پر اس کا سبب بھی بیان کر دے۔

معاصرانہ رقابت و نجش کے سبب جرح مردود ہے اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے یا غفلگی کے سبب جرح کی جارہی ہے تو یہ جرح بالاتفاق ناقابل قبول ہے مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں :-

الجرح اذا صدر من تعصب	جرح جب تعصب یا عداوت یا باہمی
او عداوة او منافرة او نحو	منافرت وغیرہ سے صادر ہو تو وہ
ذلك فهو جرح مردود ولا	غیر معتبر ہے اور اس طرح کی جرح
يؤمن الا المطرود	سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکا ہو۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ معاصرین کی ایک دوسرے پر تنقید ناقابل التفات ہے جب کہ ثابت ہو جائے کہ یہ جرح عداوت یا مسلک کے اختلاف یا حسد کی بنا پر ہو رہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے صرف وہی لوگ اس طرح کی جرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام و صدیقین کے سوا اور کسی کا تنقید محفوظ رہنا میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس پر کئی کاپیاں سیاہ کر سکتا ہوں۔

حافظ بن حجر لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ذاتی رنجش اور بعض نے اپنے معاصرانہ

۱۵۔ تدریب ص ۲۳ ۱۶۔ فتح المغیث ص ۱۳ ۱۷۔ الرفع والتکمیل طبع جدید ص ۱۸۲

۱۸۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۲

رقابت کے سبب جرح کی ہے، اور بعض ادنیٰ درجہ کے راوی نے اپنے سے اعلیٰ اور افضل اور کامل الضبط ثقہ راوی پر جرح کر دی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں فکل هذا لا يعتبر، ایسی تمام جرحیں غیر معتبر ہیں، مشہور مقولہ ہے المعاصرة سبب المناصرة اس لئے جب ایک معاصر عالم دوسرے پر نقد کر رہا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ جرح معاصرانہ رقابت کے سبب تو نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ بشری تقاضے سے کبھی اس طرح کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی یہ رقابت باہمی رنجش و عداوت تک پہنچ جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں کہ رنجش و خفگی کی بنا پر جرح کا مرض عام طور پر دو معاصر عالموں کے درمیان زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص متاخرین علماء میں اکثر مراتب میں تنافس اس کا سبب ہے، اسی لئے حافظ ابن البرمالی نے جامع بیان العلم میں ایک مستقل باب قائم کر کے معاصرین کی آپس کی تنقیدوں کو جمع کر دیا ہے۔ دو معاصرین کے آپس کی جرح قابل قبول نہ ہوگی، جب تک کہ جرح پر واضح دلیل نہ قائم ہو، اور اگر ان دونوں کے درمیان عداوت ثابت ہو جائے تو وہ جرح بدرجہ اولیٰ قابل رد ہوگی یہ

**تنبیہ** ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں عام طور پر جرح کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ اکثر ان مصنفین نے فلاح ضعيف فلاح لبس بشئ، و هذا حديث ضعيف پر اکتفا کیا ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مشکوک ہونا معلوم ہو گیا، اس لئے اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا، غور و فکر اور تحقیق کے بعد اگر شبہ کا ازالہ ہو جائے تو اس راوی کی روایت قبول کر لی جائے گی، صحیحین کے بہت سے رواۃ کے بارے میں ایسا ہی ہوا ہے۔

جرح مبہم تعدیل پر مقدم ہے اگر جرح مبہم ہے، اس کے اسباب بیان نہیں کئے  
 نہ ہو سکی، جس سے راوی کی عدالت ساقط ہو جائے تو ایسی صورت میں جن ائمہ نے اس  
 راوی کی عدالت کو بیان کیا ہے، ان کے بیان کو ترجیح دی جائے گی۔ مولانا عبدالحی  
 لکھنوی لکھتے ہیں ”جرح غیر مفسر تعدیل پر مقدم نہیں بلکہ غیر مفسر جرحوں پر خود تعدیل  
 مقدم ہے یہ

جن ائمہ کی امامت کو اُمت نے تسلیم کر لیا ان پر کسی کی جرح معتبر نہیں علامہ

تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ ”البحر مقدم علی التعديل“ کا ضابطہ ہر جگہ  
 نہیں استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس راوی کی عدالت وثقاہت ثابت ہو چکی ہو  
 اس کے بارے میں مدح و توثیق کرنے والوں کی کثرت ہو، اس کے ناقدین قلیل ہوں  
 اور کوئی ایسا قوی قرینہ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جرح مذہبی تعصب  
 کی بناء پر کی گئی ہے تو یہ جرح غیر معتبر ہے..... کسی ناقد کی جرح اس شخص کے  
 حق میں مقبول نہ ہوگی جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں اور مذمت کرنے والوں  
 کے مقابلہ میں مادیات کی کثرت ہو، اس کی توثیق کرنے والے ناقدین سے زائد ہوں،  
 اور کوئی مذہبی تعصب یا دنیاوی تنافس کا ایسا قوی قرینہ بھی موجود ہے جس سے معلوم  
 ہو رہا ہے کہ یہی اس جرح کا باعث بنا، جیسا کہ معاصر علماء میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ  
 سفیان ثوری وغیرہ کا امام اعظم ابو حنیفہ پر، اور ابن ذہب وغیرہ کا امام مالک پر، اور  
 ابن معین کا امام شافعی پر، اور امام نسائی کا امام احمد بن صالح پر اسی طرح ہے۔ اگر  
 ہر جگہ ”البحر مقدم علی التعديل“ کا ضابطہ برتا جائے تو کوئی بھی ایسا نہیں  
 جو تنقید سے محفوظ رہ سکے یہ

حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں :-  
 ”جن ائمہ کو امت نے اپنا امام بنالیا ہو، ان پر کسی کی تنقید  
 معتبر نہ ہوگی“

**جرح و تعدیل کا منصب** اور جو ہم نے تفصیل بیان کی ہے اس سے بخوبی  
 اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جرح و تعدیل کا کام کس  
 قدر نازک و دشوار ہے۔ یہ منصب ہر عالم کو بھی نہیں حاصل ہو سکتا، بلکہ یہ کام تو  
 فی الواقع انھیں ائمہ کا تھا جو اس فن میں کامل مہارت و امامت کا مقام رکھتے  
 تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان حضرات ائمہ کو اپنے نبی کریم  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت و پاسبانی کے لئے پیدا فرمایا تھا، آج کے  
 موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں  
 کو پرکھنے و جانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو نہ صرف فن حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام  
 کے اصول و مبادی سے نا آشنا ہیں، یہ درحقیقت یورپ کے مستشرقین کے تلامذہ  
 اور مقلدین ہیں، مستشرقین نے جو سہرا انھیں اسلام کے خلاف پلایا ہے اسی کا یہ لوگ  
 مختلف انداز میں اظہار کر رہے ہیں، چنانچہ احادیث کی صحت و سقم کا اپنی جہالت کے  
 باوجود فیصلہ کرنا اس گمی واضح دلیل ہے اور یہ صریح گمراہی و ضلالت ہے، یہ لوگ  
 اپنی ناپاک کوشش کے ذریعہ اسلام میں شک و تذبذب پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ  
 جرح و تعدیل کا منصب ان حضرات کے علاوہ جو دیانت و تقویٰ، حفظ و اتقان  
 اخلاص و للہیت کے علاوہ اس فن پر کامل عبور رکھتے ہوں اور کسی کو حاصل نہیں  
 ہو سکتا۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کے تہتر انواع بیان کئے ہیں اور  
 ہر نوع کی مختلف قسمیں ہیں، ابو حاتم بن حبان نے صرف حدیث ضعیف کے انچاس

اقسام بتائے ہیں یہ اس سے اس کی اہمیت و دشواری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔  
حافظ شمس الدین سخاوی تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ہر فن کے مسائل میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے ایسے لوگوں کو کھڑا کیا، جنہوں نے علم حشد کی تحصیل اور اس کے رجال و علل و غوامض کی معرفت میں اپنی زندگیاں فنا کر دیں، پس ایسے اصحاب معرفت اور ایسے کامل متبحرین کے نقش قدم کی پیروی اور ایسے حفاظ وقت کے پاس کثرت صحبت و رفاقت و جودت فہم اور دائمی طور پر مطالعہ سنن کی معرفت کا باعث ہو سکتی ہے، نیز بغیر لزوم صحبت و کثرت مطالعہ اور بدون امعان نظر و وسعت حافظہ کے ان کے فیصلوں اور رجال و علل کا سمجھنا اور سنن نبوی کی معرفت حاصل ہونا دشوار ہے۔“

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:-

”جرح و تعدیل کا منصب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دائمی طلب و جستجو، کثرت مذاکرہ، راتوں کی بیداری، ذکاوت و فہم کے ساتھ ساتھ تقویٰ و مضبوط دینداری اور انصاف پسندی، علمائے وقت کی خدمت میں حاضری باشی اور کمال ضبط کے اوصاف سے متصف نہ ہو۔“

مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:-  
”ناقد فن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، جرح و تعدیل کے

اسباب سے واقف ہو، انصاف پسند و خیر خواہ ہو، متعصب و متکبر نہ ہو، کیونکہ متعصب کا قول غیر معتبر ہے۔  
علامہ نووی رقمطراز ہیں :-

انما يجوز الجرح لعارف به اما اذا لم يكن الجارح من اهل المعرفة فلا يجوز الكلام في احده  
جرح صرف ماہر فن کا حق ہے، اگر جارح اہل معرفت میں نہیں ہے اس کے لئے کسی پر نقد جائز نہیں۔  
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

وان صدرا من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به  
جرح اگر ایسے شخص سے صادر ہو جو اسباب جرح سے ناواقف ہے تو وہ جرح غیر معتبر ہے۔

ائمہ جرح و تعدیل کے درجات ائمہ جرح و تعدیل کے مختلف درجات ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ناقدین فن کے ہر طبقے میں تشدد و متوسط دونوں طرح کے حضرات رہے ہیں۔

طبقہ اولیٰ میں شعبہ و سفیان ثوری ہیں، مگر شعبہ سفیان سے سخت ہیں۔  
طبقہ ثانیہ میں یحییٰ بن سعید قطان و عبد الرحمن بن مہدی ہیں مگر یحییٰ عبد الرحمن سے سخت ہیں۔

طبقہ ثالثہ میں یحییٰ بن معین و امام احمد بن حنبل ہیں، مگر یحییٰ امام احمد سے سخت ہیں۔  
طبقہ رابعہ میں ابو حاتم و امام بخاری ہیں، مگر ابو حاتم امام بخاری سے سخت ہیں۔  
حافظ سخاوی نے علامہ ذہبی کا قول نقل کیا ہے جس سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں :-

۱۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۵۴۲ علامہ مقدمہ شرح مسلم از نووی ص ۲

۲۔ شرح غنیمہ علامہ مقدمہ زہر الربی علی المجتبیٰ از سیوطی ص ۱



”ایک جماعت ان ائمہ کی ہے جو جرح میں تشدد اور تعدیل میں تثبیت و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ راوی کی دو تین غلطی پر بھی نقد کر دیتے ہیں، یہ جب کسی راوی کی توثیق کریں، تو اس کے قول کو دانتوں سے پکڑ لو، اور جب کسی راوی کو ضعیف قرار دیں، تو غور کر لو کہ آیا اس کے فیصلے کی کسی امام نے موافقت کی ہے؟ اگر کسی امام نے موافقت کی ہے، اور کسی ماہر فن نے توثیق بھی نہیں کی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ راوی ضعیف ہے اور اگر اس کی کسی امام نے توثیق کی ہے تو ایسے راوی کے بارے میں محدثین کا ضابطہ ہے کہ اس کے بارے میں جرح اس وقت مقبول ہوگی جب کہ مفسر ہو، مثلاً ابن معین نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا اور امام بخاری وغیرہ اس کی توثیق کر رہے ہوں تو محسوس ابن معین کے ضعیف کہہ دینے کی وجہ سے وہ راوی ضعیف نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کہ وہ ضعف کا سبب نہ بیان کریں۔“

دوسری جماعت ان ائمہ کی ہے جو تسامح و تساہل سے کام لیتے ہیں، جیسے امام ترمذی، و حاکم، حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حزم بھی اسی جماعت میں شامل ہیں، چنانچہ انہوں نے بھی ابو عیسیٰ ترمذی، ابوالقاسم بغوی، اسمعیل بن صفار، ابوالعباس احمد وغیرہ مشہور ائمہ کو بھی مجہول قرار دے دیا ہے۔ تیسری جماعت ان حضرات کی ہے جو نقطہ اعتدال کو ملحوظ

عہ حافظ ابن حزم نے سنن ترمذی و ابن ماجہ کو نہیں دیکھا تھا، اور ان کے زمانے میں یہ دونوں

کتبیں اندلس میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ سیر اعلام النبلاء از ذہبی

رکتے تھے جیسے امام احمد و دارقطنی و ابن عدی یہ

اسی طرح بعض اعتدال پسندائے نے بھی بعض شہروں یا بعض مذاہب کے روایہ پر نقد میں تشدد سے کام لیا ہے، جیسے علامہ ذہبی و حافظ ابن تیمیہ کا اکابر محققین صوفیاء پر نقد ہے اسی طرح علامہ ذہبی نے اشاعرہ پر انتہائی تشدد سے نقد کیا ہے۔ اس طرح کی تنقیدیں بھی بحث و تحقیق کی محتاج بن جائیں گی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ ان متشددین کے فیصلہ کو قبول کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہئے اور نہ اس کی صحت کا قطعی فیصلہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دیگر ائمہ فن اور کبار ناقدین نے موافقت نہ کی ہو۔

روایہ کے بیان احوال میں محدثین کا طریقہ کار چونکہ احکام شریعت کا دار نقل و روایت پر ہے، اس لئے ناقلین حدیث کے

حالات بیان کرنے میں حفاظ حدیث نے نہایت غور و فکر سے کام لیا ہے، ان حضرات کا مقصد صحیح و سقیم کی معرفت ہے، اس لئے ان کے حالات کو بیان کرنے میں انتہائی اعتدال و احتیاط سے کام لیا ہے، ان لوگوں نے صرف انہیں امور سے بحث کی ہے، جس کا تعلق راوی کی عدالت یا اس کے حفظ و اتقان سے ہے اور ان کے بحث کا اندازہ خالص علمی ہے، ان کے اس طریقہ بحث کا مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) کسی راوی پر حکم لگانے میں اس کی خوبیوں اور نقائص دونوں پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے بھائی کے نقائص کو ذکر کرو، اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کرو تو اس پر ظلم ہوگا۔ اس سلسلے میں ان حضرات کی امانت داری اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی، اگر خود اپنی تحقیق کے خلاف کسی محدث کی صحیح بات پہنچ جاتی تو اس کو

۱۔ فتح المغیث ص ۴۸۳ ۲۔ الیواقیت والنجواہ ج ۱ ص ۵۵ طبقات الشافعیۃ  
الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹ ۳۔ تحفۃ الکملۃ ص ۱۹ ۴۔ تحفۃ الطلبۃ ص ۱۹ ۵۔ السنۃ قبل التدوین  
بحوالہ الجامع الاخلاقی الراوی السامع ص ۱۹

تسلیم کرنے میں انھیں انکار نہ تھا، شعبہ بن حجاج نے ایک حدیث روایت کی، ان سے کہا گیا کہ آپ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کس نے اختلاف کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سفیان ثوری نے، تو شعبہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔

(۲) ان حضرات نے حکم لگانے میں انتہائی دقت نظر کا ثبوت دیا ہے، انھوں نے راوی کے پورے حالات زندگی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، راوی کے کلام میں کس زمانے سے اختلاط پیدا ہوا، اس کے وہم کا سبب کیا ہے، راوی میں ضعف کا تعلق دین سے ہے یا حفظ و اتقان سے، ان ساری تفصیلات کا ریکارڈ ان لوگوں نے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

(۳) جرح و نقد میں ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، جو راوی وضع احادیث کرتا تھا، یا کذب علی النبیؐ کا مرتکب تھا، اس کے بارے میں فلاں وضاع یا کذاب یا یفتری الکذب علی الصحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے جو راوی کی حقیقت حال کے اظہار کے لئے ضروری تھے، لیکن بعض حضرات ان الفاظ سے بھی احتراز کرتے تھے اور صرف (لم یکن مستقیم الحدیث) وغیرہ الفاظ کہتے تھے۔

امام مزنی فرماتے ہیں کہ میرے استاد امام شافعیؒ نے ایک دن سنا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلاں کذاب، تو فرمایا! ابراہیم! (جو امام مزنی کا نام تھا) اس کے لئے اچھے الفاظ استعمال کیا کرو، کذاب کے بجائے حدیث لیس نبیؐ کہا کرو۔

(۴) راوی کی عدالت بیان کرنے میں اس کے اسباب نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں تہجد گزار ہے، یا اخلاق فاضلہ کا حامل ہے، لوگوں کو اذیت نہیں پہنچاتا، بلکہ

۱۔ حوالہ مذکور منہج اس کی امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو الکفایہ ص ۱۳۵ و تقاریر الجرح والتعديل ص ۱۵۲۔ ۱۵۱

۲۔ مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱ الجرح والتعديل ص ۱۹۱۔ ۱۸۰ الاعلان بالتوسیخ ص ۲

ثبت، ثقہ، صدوق وغیرہ سے اس کی عدالت کو بیان کر دیا ہے لیکن عام طور پر جب راوی کی جرح بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی بیان کر دیتے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، لیکن جب ایک سبب جرح کے لئے کافی ہوا ہے تو دیگر اسباب سے گریز کیا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں لا یجبونہ التجریح بشئین اذا حصل بواحد<sup>۱</sup>

جن راویان حدیث نے روایت کی خدمت الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب<sup>۲</sup> انجام دی ہے ان میں اپنے علم و حفظ و ضبط کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے، بعض لوگ اعلیٰ مقام پر، بعض ان سے کمتر درجہ پر، اور بعض ایسے بھی ہیں جن سے وہم ہو جاتا تھا، یا ان کی عدالت و امانت کے باوجود ان سے سہو و خطا، کا صدور بھی بکثرت ہو جاتا تھا، اور ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ناجائز طور پر راویان حدیث کی صف میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے، جن کے معاملہ کو ائمہ جرح نے واضح فرمایا ہے، اس لئے ائمہ فن نے ہر درجہ کے راوی کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے اور اس کے لئے مخصوص الفاظ ہیں، اگرچہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہی ان الفاظ کے استعمال کا آغاز ہو چکا تھا، مگر سب سے پہلے ان الفاظ جرح و تعدیل کو ابو محمد عبد الرحمن بن حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ نے مرتب کر کے پیش کیا ہے

ان کے بعد کے ائمہ فن نے ان الفاظ کی تشریح یا تفریع، یا ایسے امور پر تنبیہ کی ہے جن کا تعلق اس سے کسی حیثیت سے ہے، اصول حدیث یا بعض رجال کی کتابوں میں ان کو تفصیل یا اجمال سے ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ہندی نے شرح منجہ میں اور حافظ سخاوی نے (شرح الالفیہ) میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، چھ درجے الفاظ جرح کے اور

چھ درجے الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لئے ایک قاعدہ کلیہ ہے۔  
مراتب الفاظ تعدیل (۱) الفاظ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں، یا افعال کے صیغہ سے اس کی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس اضبط الناس، والیہ المنتہی فی التثبت، اور اسی درجہ میں لا اعرف له نظیراً فی الدنیا ہے۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو جو راوی کی توثیق و عدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو جیسے ثقة ثقة، ثقة مأمون، ثقة حافظ۔

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو جیسے ثبت، متقن، حجة، امام۔  
 (۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو کہ اس میں ضبط و اتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو جیسے صدوق، مأمون، لا بأس بہ۔

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو جو راوی کی صداقت کی طرف اشارہ کرے، مگر اس کے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے مگر اس کا درجہ اس کے بعد ہے، جیسے محلة الصدق، صالح الحديث۔

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجہ کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعد من الصواب، صوبیح صدوق انشاء اللہ۔

الفاظ جرح کے مراتب (۱) جو لفظ جرح مبالغہ پر دلالت کرے جیسے اکذب الناس، رکن الکذب۔

(۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو جیسے کذاب، وضاع یہ الفاظ بھی مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے۔

(۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا مُتَّهِمٌ بِالْكَذِبِ یا مُتَّهِمٌ

بِالْوَضْعِ ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متهم بالكذب ومتهم الوضع ويسرف

الحديث، اسی درجہ میں یہ الفاظ بھی ہیں، هالك، متروك، ليس بثقة۔

(۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے، جیسے

سُوءُ حَدِيثِهِ، طرح حدیثہ، ضعیف جدا، وليس شئ، لا یکتب حدیثہ۔

(۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اس

کے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحديث، لا یحتج بہ

ضعفوه، ضعیف، له مناکیر۔

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف

اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے بھی قریب ہو، جیسے ليس بذلك القوی، فیہ

ضعف، غیرہ اوثق منه۔

ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لئے

ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات اور ان کے

درجات کا جاننا ضروری ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں،

وَنَمَّ اصطلاحات لاشخاص ینبغی التوفیق علیہا

یعنی بعض محدثین کی مخصوص اصطلاحات ہیں جن سے واقفیت

ضروری ہے۔

اس کی تفصیلی بحث کے لئے مولانا عبد اسحٰی لکھنوی کی کتاب "الرفع والتکلیل" کا

مطالعہ نہایت مفید ہے، ہم یہاں چند باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کر رہے ہیں۔

(۱) امام یحییٰ بن معین کی مخصوص اصطلاحات میں بعض روایان حدیث کے

بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ”انہ لیس بشئ“ اس سے کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ ابن معین نے اس راوی پر کوئی قوی جرح کر دی ہے، بلکہ ابن معین کی یہ مخصوص اصطلاح ہے، اس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کی حدیثیں قلیل ہیں۔ ابن ابی خثیمہ نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ کسی راوی کے بارے میں فرماتے ”فلان لیس بہ بائس“ ”فلان ضعیف“ تو اس کا کیا مطلب ہے، تو ابن معین نے جواب دیا کہ جب میں (لیس بہ بائس) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے اور جب (ضعیف) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث لکھنے کے قابل ہے۔

ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں ”یکتب حدیثہ“ فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی ضعیف کی جماعت میں شامل ہے۔

(۲) امام بخاری کے قول ”فیہ نظر“ و ”فلان سکتوا عنہ“ کا مطلب امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں

”فیہ نظر“ و ”فلان سکتوا عنہ“ امام صاحب کا یہ قول ان لوگوں کے حق میں ہے جن کی حدیثوں کو لوگوں نے ترک کر دیا ہے۔ اسی طرح امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں ”منکر الحدیث“ فرمائیں، تو ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس راوی سے روایت جائز نہیں ہے اور جب اسی لفظ کو امام احمد وغیرہ کسی راوی کے حق میں فرمائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہے بلکہ اس کا اطلاق اس حدیث غریب پر کرتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو۔

(۳) رومی المناکر و منکر الحدیث میں فرق رومی المناکر، رومی المناکر، و فی حدیثہ نکارۃ کے درمیان اور

۱۔ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۳۳ ۲۔ فتح المغیث ص ۱۵۹ ۳۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳

۴۔ شرح البیۃ الحدیث للعراق ص ۱۱ ج ۲ ۵۔ میزان الاعتدال طبع جدید ج ۱ ص ۱۲

منکر الحدیث کے درمیان فرق ہے، پہلے تینوں الفاظ میں سے اگر کوئی لفظ کسی راوی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر قابل لحاظ جرح کر دی گئی اور ”منکر الحدیث“ اگر کسی راوی کو کہا گیا ہے تو اس سے اس پر قابل لحاظ جرح شمار نہ ہوگی یہ

اسی طرح علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان ’ہذا حدیث منکر‘ کہنے میں فرق ہے، متقدمین اس سے راوی کا متفرد ہونا مراد لیتے تھے، اگرچہ راوی ثقہ ہو، اور متاخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جب ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے یہ

(۴) علامہ ذہبی کی اصطلاحات ”میزان الاعتدال“ میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں میں کہوں (مجہول) اور اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہ کروں تو جان لینا چاہیے کہ وہ ابو حاتم کا قول ہے یہ

اور اگر میں کسی راوی کے حق میں ”فیہ جہالة“ او ”نکرة“ بجهل لا یعرف یا اسی طرح کے الفاظ استعمال کروں اور قابل کو نہ لکھوں تو یہ خود میرا اپنا قول ہوتا ہے جس طرح ثقہ، صدوق، صالح، لیث، وغیرہ الفاظ کسی کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ میرا قول ہے، اور میرا ہی اجتہاد ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میزان میں تمام غیر معروف رواۃ کا استیعاب نہیں کیا ہے بلکہ اس طرح کے بہت سے حضرات کا ذکر کیا ہے، لیکن ابو حاتم جن رواۃ کے حق میں مجہول کہتے ہیں ان کا استیعاب ہے یہ

(۵) ابو حاتم کے مجہول کہنے کا مطلب ابو حاتم کے کسی راوی کو مجہول کہنے اور دیگر محدثین کے مجہول کہنے میں فرق ہے، اس

۱۔ فتح المغیث ص ۱۶۲ ۲۔ میزان ج ۱ ص ۵ ۳۔ میزان ج ۱ ص ۵

۴۔ مقدمہ مسیح الباری ص ۱۲۳ ج ۲ - ۵۔ ابو حاتم مجہول سے مجہول افعال ہونا مراد

لیتے ہیں اور دیگر محدثین اس سے مجہول العین ہونا مراد لیتے ہیں۔



لئے ابو حاتم اگر کسی راوی کو مجہول کہیں تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے جب تک کہ دوسرے ائمہ نقد نے ان سے اتفاق نہ کیا ہو، حافظ بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ”حکم بن عبد اللہ بصری“ کو ابو حاتم نے مجہول کہا، حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں، ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(۶) امام احمد بن حنبل کی اصطلاح حافظ ذہبی ”یونس بن ابوالحق عمرو البسبی“ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد

نے کہا کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے یونس بن اسحاق کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ”کذا وکذا“ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ استقراء کے بعد معلوم ہوا کہ اس طرح کے الفاظ میں راوی کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۷) ابن القطان کی اصطلاح ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک فاسی مثنیہ ”ابن القطان“ سے مشہور ہیں، ان کا قول

”میزان الاعتدال“ میں بعض رواۃ کے حق میں نقل کیا گیا ہے، ما لم يعرف له حال لم تثبت عدالته یہ ابن قطان کی خاص اصطلاح ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کے کسی معاصر امام یا شاگرد سے اس کی کوئی توثیق منقول نہیں، اگرچہ وہ راوی فی نفسہ ثقہ ہو۔

(۸) یحییٰ بن سعید قطان کے ترکہ یحییٰ کا مطلب ”تہذیب التہذیب“ یا ”میزان“

میں کسی راوی کے بارے میں ”ترکہ یحییٰ“ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ راوی ناقابل تہذیب ہو گیا، امام ترمذی نے ”کتاب العلل“ میں صراحت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی متہم بالکذب نہیں، صرف اس کے حافظہ کے کمزوری کے سبب اس راوی سے روایت ترک کر دی ہے۔

۱۔ مقدمہ مستخرج الباری ص ۱۲۴ ج ۲ ۲۔ میزان ج ۳ ص ۳۲۹ ۳۔ میزان ج ۱ ص ۱۶

۴۔ کتاب العلل للترمذی

## (۹) محدثین کے کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہنے کا مطلب کسی حدیث کے

بارے میں ہذا حدیث صحیح الاسناد، یا حسن الاسناد، فرماتے ہیں، یہ ان کے حدیث صحیح یا حسن کہنے سے فروتر ہے، کیونکہ کبھی کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ حدیث اپنے شاذ یا معطل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی بلکہ مگر جب کسی معتد مصنف نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے اور اس کی کوئی علت قاعدہ نہیں بیان کی اور نہ ہی کوئی جرح کی، تو بظاہر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے کیونکہ علت و جرح کا نہ ہونا ہی اہل ہے۔ بظاہر اس مصنف نے تلاش و تفتیش کے بعد ہی فیصلہ کیا ہوگا۔

## (۱۰) کسی حدیث کے صحیح یا حسن یا ضعیف کہنے کا مطلب جب محدثین کرام کسی حدیث کے صحیح یا حسن

ہونے کا فیصلہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر اسناد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے، نفس الامر میں قطعی طور پر صحت کا فیصلہ نہیں ہے، اس لئے ثقہ راوی سے بھی خطا و نسیان کا امکان ہے، اسی طرح ”حدیث ضعیف“ کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث میں صحت کے شرائط نہیں پائے گئے، نہ یہ کہ نفس الامر میں وہ حدیث باطل ہے، اس لئے کہ جھوٹے راوی سے بھی صدق کا اور کثیر الخطا سے صواب کا بھی امکان ہے۔

## (۱۱) محدثین کرام کے لایصح ولا یثبت فرمانے کا مطلب میں ”لایصح“ یا ”لایثبت“

کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ”حدیث کو ”لایصح“ کہنے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا بلکہ

ممکن ہے وہ حدیث حسن یا حسن لغیرہ ہو۔

ان اصطلاحات کا علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے طالب علم کے لئے جاننا ضروری ہے، ورنہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ میں بہت سی غلطیوں کا امکان ہے، تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبدالحی لکھنوی کا رسالہ ”الرفع والتکمیل“ مع تعلیق عبدالفتاح ابو غدہ۔

حدیث کی تصحیح و تضعیف کا مقام جرح و تعدیل کے جو قاعدے ضابطے اور بیان کئے گئے کتب اسماء الرجال

سے استفادہ کے لئے ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں محدثین کرام نے جس روایت کو صحیح یا حسن/ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، اس کی علت و سبب کو معلوم کیا جاسکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر تمام ذخیرہ احادیث پر ہر شخص لائے زنی کرنے لگے، کیونکہ مجرد اسناد کو دیکھ کر اس دور میں حدیث کی تصحیح و تحسین دشوار ہے۔ شیخ ابن صلاح المتوفی ۷۴۳ھ نے تو علماء متاخرین کی ضعیف نظر کی بنا پر اس کی اجازت نہیں دی ہے، فرماتے ہیں:-

فقد تعدد فی هذه الاعضاء	صرف اسانید کے اعتبار پر اس زمانے
الاستقلال بادرک الصحيح	میں مستقل طور سے حدیث صحیح کا
بمجرد الاسانید (الی) قال	ادراک دشوار ہے، اس لئے بالآخر
الامر فی معرفة الصحيح و	حدیث کے صحیح و حسن کی معرفت میں
الحسن الی الاعتماد علی ما	ائمہ متقدمین کے فیصلہ پر اعتماد کرنا
نص علیہ ائمة الحديث	پڑے گا۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ اس کا دروازہ شیخ ابن صلاح اس لئے بند کرنا چاہتے

میں کہ متاخرین میں ایسے لوگ جری نہ ہو جائیں جو ایسے نازک مباحث پر کلام کرنے کی اہلیت اور کتب حدیث کی سند و علل اور اس کے مطالب کے کشف و ایضاح کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور وہ وظائف و ذمہ داریاں نہیں ادا کر سکتے جو ان کے مطالعہ و ممارست کا حق ہے۔

لیکن علامہ نووی نے شیخ ابن صلاح سے اختلاف کرتے ہوئے تصحیح کی اجازت دی ہے، وہ فرماتے ہیں الاظهر عندی جوازہ لمن تمکن و فتویت معرفتہ۔ میرے نزدیک ایک ایسے محدث کے لئے جو فن پر قادر ہو اور معرفت کی اس میں پوری صلاحیت ہو، تو اس کے لئے تصحیح کی اجازت ہے علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ اسی پر محدثین کا عمل ہے۔

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام نہایت دشوار و نازک ہے، امام علائی (رحمۃ اللہ علیہ) علامہ ابن جوزی کی کتاب ”الموضوعات“ پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب الموضوعات میں نہایت تشدد سے کام لیا ہے۔۔۔۔۔ علمائے متاخرین کے لئے کسی حدیث پر فیصلہ نہایت دشوار ہے، اس میں کلام کی گنجائش ہے، برخلاف ائمہ متقدمین کے جن کو حق تعالیٰ نے علم حدیث میں تبحر اور حفظ کی وسعت عطا فرمائی تھی، جیسے شعبہ و قطان اور ان کے صاحبزادے وغیرہ اور ان کے تلامذہ جیسے امام احمد و ابن الدینی و ابن راہویہ، اور ایک جماعت پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی اور یہ سلسلہ دارقطنی و بیہقی کے دور تک رہا۔ لم یجئ بعدہم مساو ولا مقارب، ان کے برابر کا، یا ان کے ہم پلہ اور کوئی نہیں ہوا۔۔۔۔۔

فمنی وجدنا فی کلام احد پس جب ہم تقدیم میں سے کسی کے  
من المتقدمین المحکومہ کان کلام میں کسی حدیث پر فیصلہ پائیں گے

متعمداً لما اعطاهم  
الله الحفظ العزيز و  
ان اختلف النقل عنهم  
عدل الى الترجيح  
تو وہ قابل اعتماد ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ  
نے انہیں بہت زیادہ حفظ کی دولت  
عطا فرمائی تھی اور اگر ان میں اختلاف  
ہوگا تو ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائیگا۔

اگرچہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اس میں نظر قائم کی ہے کیونکہ کبھی ایسا بھی  
ہوا ہے کہ ایک حدیث کی کسی مقدم محدث نے تضعیف کی ہے، مگر دلائل و  
شواہد کی بناء پر علماء متاخرین نے اس کی تصحیح کی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے  
لیکن جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حبر و تعدیل کا منصب ہر عالم کو بھی  
نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح حدیث کی تصحیح و تضعیف کے فیصلہ کا حق بھی ہر شخص  
کو نہیں دیا جاسکتا۔

جن کتابوں میں صحیح و حسن و ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں، ان سے  
استفادہ کرنے کے سلسلے میں حافظ بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:-

بالجملة فالسبيل واحد لمن  
اراد الاحتجاج بمحدث السنن  
لا سيما سنن ابن ماجة و  
مصنف ابی بکر بن شعبة و  
عبد الرزاق مما لا مرفیه  
اشد او بمحدث من المسانيد  
لان هذه كلها لم يشترط  
جامعوها الصحة والحسن الخ  
خلاصہ یہ کہ اس شخص کے لئے ایک  
ہی راستہ ہے جو کتب سنن بالخصوص  
سنن ابن ماجہ اور مصنف ابی بکر و  
مصنف عبد الرزاق (جس کا معاملہ  
زیادہ دشوار ہے) یا مسانید کی کسی  
حدیث سے استدلال کرنا چاہے کیونکہ  
ان کتابوں کے مصنفین نے صحت و  
حسن کا التزام نہیں رکھا ہے۔

وہ راستہ یہ ہے۔ اگر نقل و تصحیح حدیث کی اہلیت ہے تو ان دونوں صحیح

حسن، میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں جب تک اس کی پوری واقفیت نہ ہو، اور اگر اپنے اندر اہلیت نہیں ہے تو اس میں کسی اہل کی پیروی کرنی چاہئے، ورنہ رات میں لکڑی چننے والے کی طرح ان سے استدلال پر اقدام نہ کرے، کیونکہ غیر شعوری طور پر ہو سکتا ہے کہ حدیث باطل سے استدلال کرنے لگے یہ

بہر حال حدیث کی تنقید و تحقیق صرف ماہرین فن ہی کا حق ہے، موجودہ دور میں آزاد خیالی اور معمولی عربی جاننے والوں کے لئے کسی طرح حدیث پر رائے زنی جائز نہیں مستراروی جا سکتی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں :-

ولا تبادر تقلیداً بمن لا	جو لوگ حدیث کو نہیں سمجھتے اور اس
یفہم الحدیث ولا اصولہ	کے اصول و فروع سے ناواقف ہیں
ولا یعرف فروعه الخ	ان کی تقلید جلدی سے نہ کرنے لگو،
تضعیف الحدیث وتوہینہ	کہ صرف مبہم اقوال اور غیر مفسر جروح
بمجرد الاقوال المبهمة	سے حدیث کو ضعیف و کمزور قرار
والجروح غیر المفسرة ۛ	دے دیا۔

# فہم اسماء الرجال میں

ائمہ کی اہم و مشہور کتابیں

اس آخری باب میں ہم اجمالی طور پر ائمہ فن کی مشہور اور اہم کتابوں کا تعارف کر رہے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء امت نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں، نیز ہر کتاب کے تعارف کے ساتھ اس کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ ان میں کون سی کتابیں مخطوط ہیں اور کون سی چھپ کر شائع ہو گئی ہیں جس کی خاص طور سے اہل علم کو ضرورت رہتی ہے، اور اسی طرح بعض ان کتابوں کا بھی ذکر آگیا ہے جو اگرچہ آج نایاب ہیں، مگر اپنے موضوع پر اہم تراردی گئی ہیں، اس سلسلے میں ”الرسالۃ المستطرفۃ“ ابو جعفر کشانی اور علامہ زرکلی کی ”الاعلام“ اور استاذ عمر رضا عجلالہ کی ”معجم المؤلفین“ خصوصیت سے میرے پیش نظر رہا ہے۔

## ① حالات صحابہ پر اہم و مشہور کتابیں

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، مگر

عام طور سے کتابوں میں صرف انھیں حضرات کے تراجم ملتے ہیں جنہوں نے نفلِ حدیث اور روایت کی خدمت انجام دی ہے یا کسی حدیث میں ذکر آگیا ہے۔

### (۱) مَعْرِفَةُ مَنْ نَزَلَ مِنَ الصَّحَابَةِ سَائِرَ الْبِلَادِ:

از امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی (المولود ۱۶۱ھ وفات ۲۴۳ھ)

### (۲) کتاب المعرفة:

از ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ مروزی (المولود ۲۲۲ھ وفات ۳۹۳ھ) یہ کتاب ۱۵۵ اجزاء میں حالات صحابہؓ کے تعارف میں تھی۔

### (۳) کتاب الصحابة:

از امام محمد بن حبان ابو حاتم بستی (المولود ۲۴۶ھ وفات ۳۵۴ھ)

### (۴) الاستيعاب:

از ابو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرنمری قرطبی مالکی (المولود ۲۶۸ھ وفات ۳۴۳ھ) مصنف نے یہ نام اس خیال سے رکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان تمام صحابہ کا استیعاب کر لیا ہے جن کا ذکر کہیں آیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات کے تراجم مصنف سے چھوٹ گئے ہیں، اس کتاب میں صرف (۲۵۰۰) صحابہ کرام کے تراجم ہیں۔ ہندوستان میں دو جلدوں میں اور مصر سے چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

”الاستیعاب“ پر بہت سے علماء نے ذیل میں لکھا ہے بالخصوص ابن فتنون اندلسی



المتوفی ۷۱۵ھ اور ابوالحجاج یوسف بن محمد بن مقلد المتوفی ۵۵۵ھ کے ذیل مشہور ہیں۔

### (۵) اسد الغابة فی معرفة الصحابة:

از مؤرخ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد (ابن الاثیر) (المولود ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ) صحابہ کرامؓ کے تراجم پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس کتاب میں مصنف سے تسامح بھی ہوا ہے، مصر سے ۱۲۸۶ھ میں طبع ہو چکی ہے، اس کا اردو میں صہر مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

### (۶) تجريد اسماء الصحابة:

از حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی (المولود ۵۴۳ھ وفات ۶۳۸ھ) ہندوستان میں ۱۲۱۱ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

### (۷) الاصابة في تمييز الصحابة:

از حافظ شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی (ابن حجر) (المولود ۷۳۳ھ وفات ۸۵۲ھ) یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مشہور اور جامع قرار دی گئی ہے، ابتدا کی چھ جلدوں میں اسماء صحابہؓ ہیں جن کی تعداد (۹۴۷۷) ہے اور ساتویں جلد کنی پر مشتمل ہے، اس میں (۱۲۵۷) کنیتیں ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور آٹھویں جلد صحابیات کے تراجم پر مشتمل ہے جن کی تعداد (۱۵۴۵) ہے حیدرآباد دائرۃ المعارف سے بھی چھپ چکی ہے، اور مصر سے بھی طبع ہو چکی ہے۔

### (۸) الرياض المستطابة في جملة من روى في الصحيحين من الصحابة:

از شیخ یحییٰ بن ابوبکر عامریمینی (المولود ۸۱۶ھ وفات ۸۹۳ھ) اس میں ان صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے جن سے صحیحین میں روایت ہے، مصنف نے حروف تہجی کے لحاظ

سے اس کو مرتب کیا ہے، یہ نہایت مفید رسالہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔

### (۹) دُرُ السَّحَابَةِ مِنْ دَخْلٍ مَصْرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ؛

از حافظ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ م ۹۱۱ھ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو ”حسن المحاضرة“ کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے اور اب علیحدہ سے بھی طبع ہو گیا ہے۔

### (۱۰) البدر المنير في صحابة البشير النذير؛

از شیخ محمد قائم بن صالح سندی حنفی قادری، ان کا سن وفات متعین طور سے معلوم نہ ہو سکا، البتہ ۱۱۴۵ھ سے قبل مصنف باحیات تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن کی صحابیت کسی روایت یا اور کسی ذریعہ سے معلوم ہو سکی ہے، اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ ”دار الکتب المصریہ“ میں موجود ہے۔

## ② تاریخ رجال کی اہم کتابیں

### (۱) تاریخ الرواة؛

از امام بیہقی بن معین (المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ) مصنف نے اس کو حرف معجم پر مرتب کیا تھا۔ معجم الصنفین کے مصنف نے ان کی دو اور کتابوں ”معرفۃ الرجال“ اور ”التاریخ والعلل“ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو جامعہ ام القریٰ سے احمد نواز سیف کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

(۲) التاریخ

از امام احمد بن محمد حنبل (المولود ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)

(۳) التاریخ الكبير

از امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) یہ نہایت جامع کتاب ہے، اس کو مصنف نے حروف بحم کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور عہد صحابہ سے اپنے دور تک تقریباً چالیس ہزار رجال حدیث کے حالات قلمبند کئے ہیں، ان میں مرد، عورت، ضعیف و ثقہ سب شامل ہیں۔

امام موصوف نے اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں اس عظیم الشان کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ علامہ تاج الدین نسبی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی امام صاحب کو (بہ لحاظ جامعیت) شرف اولیت حاصل ہے، ان کے بعد جن لوگوں نے تاریخ رجال، اسما، و کنی پر کتابیں لکھی ہیں، سب ان کے خوشہ چین ہی ہیں۔ حروف اول کے بعد کتاب میں ترتیب قائم نہ رہ سکی، نیز جرح و تعدیل سے بہت کم تعرض کیا ہے، البتہ جب صحابی کا نام آیا ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

اس ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہو چکی ہے، نیز مصنف کی التاریخ الوسط و التاریخ الصغیر بھی ہے، التاریخ الصغیر ہندوستان میں ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

(۴) الہدایۃ والارشاد فی معرفۃ اہل لثقۃ والسلاد:

از ابو نصر احمد بن محمد بن حسین کلابازی (المولود ۳۲۵ھ وفات ۳۹۸ھ) اس میں

مصنف نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایات کی تخریج کی ہے، اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

### (۵) تاریخ نیشابور

از محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی کتاب ہے جو ابن ابی عمیر سے مشہور ہیں ان کی ولادت ۳۲۱ھ اور وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی، علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں ”میرے نزدیک یہ نہایت مفید کتاب ہے جو شخص اس کتاب پر نظر ڈالے گا“ وہ مصنف کے مختلف فنون پر عبور کی شہادت دے گا۔

### (۶) تاریخ بغداد

یہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بغدادی شافعی (۳۹۲ھ-۴۲۳ھ) کی جلیل القدر اور نہایت مفید و مشہور کتاب ہے، اس میں مصنف نے بغداد کی شخصیات اور وہاں آنے والوں کا تذکرہ اور مختلف فوائد لکھے ہیں، اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، اس میں ثقات، ضعفاء و متروکین کا ذکر ہے، یہ کتاب (۸۳۱) حضرات کے تذکروں پر مشتمل ہے، قاہرہ سے ۳۳۹ھ (۱۹۳۱ء) میں چودہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

### (۷) الجمع بین رجال الصحیحین

یہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی جو قیسرانی شیبانی سے مشہور ہیں (المولود ۴۳۸ھ المتوفی ۵۰۵ھ) مصنف نے اس کتاب میں ابونصر کلابازی اور ابوبکر احمد بن علی الصہبانی کی کتابوں سے صحیحین کے رجال کو جمع کر دیا ہے، دو جلدوں میں ہندستان

میں ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

### (۸) المغنی فی اسماء رجال الحدیث :

شیخ محمد طاہر بٹنی۔ یہ تقریب التہذیب کے حاشیہ پر ۱۳۲۲ھ میں حیدر آباد میں چھپ چکی ہے۔

### (۹) تاریخ دمشق :

از حافظ ابو القاسم علی بن حسین (ابن عساکر) دمشق (۴۹۹ھ م ۵۷۱ھ) یہ نہایت عظیم الشان اور جامع کتاب تھی، اسی سے زائد جلدوں میں تھی، اس کی ۳ جلدیں قاہرہ کے مشہور کتب خانہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، شیخ عبد القادر بدران نے اس کی اسانید و مکررات کو حذف کر کے اختصار کیا ہے اور اپنی اس مختصر کا نام "تہذیب تاریخ ابن عساکر" رکھا ہے، اس کی سات جلدیں دمشق سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ دمشق کا اکثر حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

### (۱۰) کتاب الکمال فی اسماء الرجال :

از ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی (المولود ۵۵۷ھ وفات ۶۲۳ھ) یہ قزوین کی خصوصیات اور وہاں کے اخبار و آثار اور جو صحابہ کرام و تابعین وہاں ارد ہوئے ان کے حالات اور وہاں کے ممتاز اہل علم و درس کے تذکروں پر مشتمل ہے مصنف نے حرف معجم کی ترتیب پر اس کو مرتب کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ چار جلدوں میں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

### (۱۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال :

از حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبد الرحمن منزلی دمشق (المولود ۶۵۴ھ

وفات ۱۰۴۲ھ) یہ کتاب درحقیقت حافظ عبدالغنی مقدسی کی ”الکمال فی اسماء الرجال“ جو صحیحین اور سنن اربعہ کے رجال پر مشتمل ہے، اس کی تہذیب ہے، علامہ مزنی نے اپنی تہذیب میں راویانِ علم و حاطانِ آثار اور ہر جماعت کے اکثر اہل علم کا تذکرہ حروفِ معجم پر مرتب کیا ہے، پھر اخیر میں عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ مصنف کو اس کتاب کی تالیف میں ۸۰۰ھ سے ۱۲۰۰ھ تک کا عرصہ لگ گیا۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، اس کا قلمی نسخہ ”دار الکتب المصریہ“ میں موجود ہے، اور اب طبع ہو چکی ہے۔

حافظ علاء الدین مغلطائی (المولود ۶۹۰ھ وفات ۷۶۶ھ) نے حافظ مزنی کی تہذیب الکمال کا ۱۳ جلدوں میں استدراک لکھا ہے، اور ان کی کتاب کا نام ”آئین تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ ہے۔

### (۱۲) تہذیب تہذیب الکمال:

از حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزنی کی ”تہذیب الکمال“ کا اختصار کیا، پھر اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے، اور اس کا نام ہے ”الکاشف عن رجال الکتب الستہ“ اس میں صرف ان رواۃ کا تذکرہ ہے جن کی روایات کی تخریج صحاح ستہ میں کی گئی ہے، اور ان کی وفیات کا تذکرہ ہے، جن کتابوں میں ان کی روایت ہے ان کے رموز بھی بتا دیتے ہیں۔ حروفِ تہجی پر مصنف نے اس کو مرتب کیا ہے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں ”الکاشف“ کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

### (۱۳) تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر و الاعلام:

از علامہ ذہبی، مصنف نے اس کتاب میں حوادث و وفیات دونوں کو ذکر کیا

ہے، اور سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس کی ابتداء پہلی صدی ہجری سے ہوئی ہے اور انتہا (۷۰۰ھ) پر ہے، مصنف نے اس کو ستر طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے لئے دس سال رکھے ہیں، البتہ ہر طبقہ کے اسماء کو حروف تہجی کے لحاظ سے اور حوادث کو سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب ۳۵ جلدوں میں تھی۔ اس کی ۳۴ جلدیں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہیں، صرف ۵ جلدیں مصر سے ۱۳۶۷ھ میں طبع ہو سکی ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی تاریخ کے کئی اختصار خود کئے ہیں جس میں "سیر اعلام النبلاء" جو چار جلدوں میں ہے، اس کی تین جلدیں مصر سے طبع ہو چکی ہیں۔

### (۱۳) التذکرۃ برجال العشرۃ،

از محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی (المولود ۷۱۵ھ المتوفی ۷۶۵ھ) مصنف نے اپنے شیخ علامہ مزی کی کتاب "تہذیب الکمال" میں چار کتابوں کے رجال کا مزید اضافہ کیا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں، "موطا"، "مسند شافعی"، "مسند احمد"، "مسند ابی حنیفہ"، "مسند ابن محمد بن خسر"۔ حافظ بن حجر عسقلانی کے سامنے یہ کتاب موجود تھی، اس کا ذکر تعجیل النفعۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔

### (۱۵) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الاثنۃ الاربعۃ،

از حافظ بن حجر عسقلانی، حیدر آباد سے ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

### (۱۶) تہذیب التہذیب،

از حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المولود ۷۳۳ھ وفات ۸۵۲ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کی تلخیص کی ہے، اور بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے، حیدر آباد دکن سے دو مرتبہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکی

ہے، مگر آج کل نایاب ہو رہی ہے لیکن اہل علم میں بہت زیادہ متداول بھی ہے۔  
تہذیب الکمال میں بڑے بڑے ان فقہاء و محدثین کا تذکرہ ہے جو امام اعظم ابوحنیفہؒ یا ان  
کے اصحاب میں سے کسی کے شاگرد ہیں، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ذکر و حذف  
کر دیا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ”رجال حنفیہ کو  
جس قدر نقصان حافظ نے پہنچایا اور کسی نے نہیں۔“

### (۱۷) تقریب التہذیب،

یہ بھی حافظ بن حجر کی کتاب ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ”تہذیب التہذیب“  
سے اختصار کیا ہے، ہندوستان میں ۱۲۹۷ھ میں دو جلدوں میں چھپ چکی ہے،  
اس کے حاشیہ پر شیخ محمد طاہر یثربی کی ”المغنی فی اسماء رجال الحدیث“ بھی ہے اب  
تو متعدد بار قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

### (۱۸) اسعاف المبتطأ برجال المؤطا،

حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب ہے، ہندوستان و مصر دونوں جگہوں سے  
چھپ چکی ہے۔

## ③ کتب طبقات

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کئے ہیں  
اور ان کے حالات طبقہ بعد طبقہ اپنے عہد تک بیان کیا ہے، اس طرز پر جو کتابیں  
لکھی گئی ہیں، ان میں سے مشہور و اہم حسب ذیل ہیں۔

### (۱) الطبقات الکبریٰ،



از مؤرخ محمد بن سعد بن شمع کاتب و اقدی (المولود ۱۶۸ھ و المتوفی ۲۴۳ھ) ابن سعد نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی، اس کے بعد صحابہ کرام کے تراجم طبقات کے لحاظ سے لکھے، پھر تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے حالات اپنے عہد تک لکھے ہیں، یہ اپنے موضوع پر نہایت عمدہ و بہترین کتاب ہے۔ تاریخ و رجال کے اہم و مسند ترین مصادر میں اس کا شمار ہے۔ اس کی آخری جلد عورتوں کیلئے مخصوص ہے، سب سے پہلے لندن میں ۱۳ جلدوں میں طبع ہوئی، اب مصر و بیروت سے بھی آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے، آخری جلد میں مصنف نے تراجم کی مفصل فہرست بھی لکھ دی ہے جس سے مراجعت میں سہولت رہتی ہے۔

## (۲) طبقات الرواة،

از حافظ ابو عمرو خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری (م ۲۴۳ھ) جو امام بخاری کے شیوخ میں ہیں۔ یہ کتاب آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے، اس کا قلمی نسخہ مکتبہ قاہرہ دمشق اور دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

## (۳) طبقات التابعین،

امام مسلم بن حجاج قشیری (المولود ۲۴۳ھ و المتوفی ۲۶۱ھ)

## (۴) کتاب التابعین،

از حافظ محمد بن حبان بستی (المولود ۲۴۳ھ و المتوفی ۳۵۴ھ) مصنف کی اتباع التابعین اور "تابع التابعین" یہ دونوں کتابیں بھی پندرہ اجزاء میں تھیں۔

## (۵) طبقات المحدثین والرواة،

از حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد اصہبہانی (المولود ۳۳۶ھ المتوفی ۴۲۳ھ)

## (۶) طبقات الحفاظ یا تذکرۃ الحفاظ،

از حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اور ارتقا المعارف  
جدر آباد سے مکرطع ہو کر شائع ہو چکی ہے، یہ صحابہ سے لے کر مؤلف کے دور تک  
کے حفاظ حدیث کے تذکرہ پر مشتمل ہے، گیارہ طبقات قائم کئے ہیں۔

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ حایان علم نبوی کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے  
جن کے اجتہاد پر توثیق و تضعیف اور تصحیح و تزییف (کھوٹ بیان کرنا) میں رجوع کیا  
جاتا ہے۔“ حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے  
شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو علم حدیث میں حافظ شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ ابن قتیبہ  
کے متعلق جو لغت و عربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض  
تصنیفات موجود ہیں، یہ لکھتے ہیں:-

ابن قتیبة من أوعية العلم	ابن قتیبة علم کا مخزن ہیں، لیکن حدیث
لكنه قليل العمل بالحديث	میں ان کا کام تھوڑا ہے۔ اس لئے میں
فلما ذكره	نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن ان کے متعلق بھی صاف  
تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے، اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث  
میں شمار نہیں کیا، اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا کہ جو اگرچہ  
حدیث کے حفاظ تھے مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایۃ خیال کیے جاتے تھے،  
چنانچہ ہشام بن کلبی اور واقدی وغیرہ کے حفاظ حدیث ہونے کے باوجود متروک  
الروایۃ ہونے کی وجہ سے ان کو حفاظ حدیث میں نہیں شمار کیا ہے۔

### (۷) ذیل تذکرۃ الحفاظ :

از ابوالمحسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ، یہ حافظ ذہبی کی مذکورہ بالا کتاب کا ذیل ہے اور اس میں اُن حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے جن کا ذکر حافظ ذہبی سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق سے طبع ہو چکی ہے۔

### (۸) لحظہ الاحاط بذیل طبقات الحفاظ :

از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ۸۵۸ھ، یہ کتاب بھی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے دمشق سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

### (۹) طبقات الحفاظ :

از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، یہ حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے، لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے کئے گئے ہیں، عرصہ ہوا یورپ سے طبع ہو چکی ہے۔

### (۱۰) ذیل طبقات الحفاظ :

از حافظ سیوطی، یہ بھی حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے۔ اس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لے کر اپنے دور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، دمشق سے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ :- حسینی، ابن فہد، اور سیوطی ان تینوں کے ذیوار ”مجموعہ تذکرۃ الحفاظ“ کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق سے ۱۳۳۲ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

## ③ اسماء و کنیٰ و القاب پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویان حدیث کے تراجم و احوال پر کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ باہم ان کے ناموں میں اشتباہ و التباس نہ پیدا ہو سکے، اسماء و کنیٰ و القاب پر کثرت کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف ہم یہاں کر رہے ہیں۔

### (۱) الاسامی و الکنیٰ :-

از علی بن عبد اللہ بن جعفر مدنی (المولود ۱۶۱ھ و المتوفی ۲۲۴ھ) یہ آٹھ اجزاء پر مشتمل تھی۔

### (۲) الاسماء و الکنیٰ :-

از امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ)

### (۳) الکنیٰ :-

اس نام کی بہت سے ائمہ امام بخاری و امام نسائی و عبد الرحمن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

### (۴) کتاب الکنیٰ و الاسماء :-

از امام مسلم بن حجاج (المولود ۲۰۴ھ و المتوفی ۲۶۱ھ)

### (۵) الکنیٰ و الاسماء :-

از ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعد انصاری دولابی (المولود ۲۳۳ھ المتوفی ۳۲۰ھ) یہ بڑی جامع کتاب ہے، ہندوستان میں دو جلدوں میں ۳۲۲ھ و ۳۲۳ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

#### (۶) الاسماء والکنیٰ۔

از حاکم کبیر ابو احمد محمد بن احمد نیشاپوری (المولود ۲۸۵ھ و المتوفی ۳۴۸ھ) یہ کتاب ۱۴ جلدوں میں تھی۔

#### (۷) فتح الباب فی الکنی واللقاب۔

از ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق ابن منذہ اصبہانی (المولود ۳۱۵ھ و المتوفی ۳۹۵ھ) یہ البانیہ سے مستشرق دی و دینج کی تعلیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

#### (۸) المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلة الحدیث :

#### (۹) المشتبه فی النسبة :

یہ دونوں کتابیں امام ابو محمد عبد الغنی بن سعید اسدی مصری (المولود ۳۳۲ھ و المتوفی ۴۰۹ھ) کی تصنیف ہیں اور دونوں ایک جلد میں ہندوستان میں ۳۲۶ھ میں طبع ہو چکی ہیں۔

#### (۱۰) الاکمال فی رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب

از حافظ امیر ابو نسیر علی بن ہبہ اللہ بن مضر (ابن ماکولا) بغدادی (۳۲۱ھ و ۳۸۶ھ) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے، مصنف نے عبد الغنی ازدی کی دونوں کتابوں اور خطیب

بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے، مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ۵ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

### (۱۱) المستدرک علی الاکمال لابن ماکولا :

از حافظ محمد بن عبد الغنی بغدادی (ابن نقطہ) المتوفی ۶۲۹ھ۔

### (۱۲) المشبه فی اسماء الرجال :

از حافظ محمد بن احمد عثمان ذہبی (المولود ۶۳۵ھ م ۷۴۸ھ) یہ کتاب متقدمین ابن ماکولا، ابن نقطہ، ابن یعلیٰ فرضی وغیرہ متقدمین کی کتابوں کا خلاصہ ہے، نیز علامہ موصوف نے بھی خود اضافہ کیا ہے، یہ کتاب لندن سے ۱۸۶۳ھ و ۱۸۸۱ھ میں دو کتب "مشرق" و "مغرب" کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

### (۱۳) تحفة ذوی الارب فی شکل الاسماء والنسب :

از ابن خطیب و ہرثمہ محمد بن احمد ہمدانی (المولود ۷۵۵ھ المتوفی ۸۴۴ھ) مصنف نے ۸۴۴ھ میں اس کو تالیف کیا تھا، لندن سے ۱۹۰۵ھ میں البانی زبان میں مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

### (۱۴) نزہة الالباب فی الالقاب :

از حافظ بن حجر عسقلانی، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

## ⑤ انساب پراہم و مشہور کتب

(۱) ما اتفق من اسماء المحدثین و انسابہم غیر ان فی بعضہ زیادۃ حروف واحد  
از ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (المولود ۳۹۲ھ المتوفی ۴۶۳ھ)  
اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔

(۲) اقتباس الانوار والالتباس الزہار فی انساب الصحابة و رواة الآثار:  
از محمد عبداللہ بن علی بن علی اندلسی جورشاطی سے مشہور ہیں (المولود ۴۶۶ھ المتوفی  
۵۴۲ھ) یہ نہایت عمدہ و بہتر کتاب تھی اور اہل علم نے اس کی تعلق بھی کی ہے۔

(۳) الانساب المتفکرة فی الخط المتماثلة فی النقط والضبط:  
از شیخ محمد بن ظاہر مقدسی (المولود ۴۸۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) ان کے شاگرد محمد بن  
ابوبکر اصیبہانی نے اس پر ذیل لکھا ہے، اور یہ دونوں لندن سے ۱۸۶۵ء میں ایک  
جلد میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۴) الانساب:  
از تاج الاسلام سعید عبدالکریم بن محمد بن ابوالمنظفرتیمی سمعانی (المولود ۵۰۶ھ  
المتوفی ۵۶۲ھ) اس کتاب میں مصنف نے رجال کے انساب اور جن کے تراجم  
لکھے ہیں ان کے حالات اور ان کے بارے میں ائمہ فن کے جرح یا تعدیل کے اقوال

نیز ان کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے، حروف معجم پر کتاب کی ترتیب رکھی ہے، مشہور مستشرق مارچ لیوس کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں لندن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

### (۵) اللباب:

از علی بن محمد شیبانی جزری (المولود ۵۵۵ھ المتوفی ۶۳۰ھ) مصنف نے سمعانی کی انساب کا انتصار کیا ہے اور کچھ اضافے بھی کئے ہیں، تین جلدوں میں مصر ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۹ھ میں ..... طبع ہو چکی ہے۔

## ⑥ کتب سرح و تعدیل

- اس فن پر علماء نے مختلف طرز پر کتابیں لکھی ہیں :-
- (۱) بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں صرف کذابین و ضعفاء کو ذکر کیا ہے۔
  - (۲) اور بعض حضرات نے صرف ثقات کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں۔
  - (۳) اور بعض ائمہ نے ثقات و ضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔
- اس فن کی چند مشہور اور اہم کتابیں حسب ذیل ہیں :-

### (۱) الجرح والتعدیل:

از امام احمد بن حنبل (المولود ۱۶۳ھ المتوفی ۲۴۱ھ) یہ انقرہ سے دو جلدوں میں ۱۹۶۳ء میں طبع ہو چکی ہے۔



## (۲) الضعفاء:

از محمد بن محمد بن عبد الرحیم برقی زہری المتوفی ۲۲۹ھ۔

## (۳) الجرح والتعديل والضعفاء:

از ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب سعدی جوزجانی ۲۵۹ھ۔

## (۴) الضعفاء:

از امام محمد بن اسماعیل بخاری (المولود ۱۹۳ھ المتوفی ۲۵۶ھ) یہ امام بخاری کی "التاریخ الصغیر" کے ساتھ ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

## (۵) تاریخ الضعفاء والمتروکین:

از امام حافظ ابو عبد الرحمن احمد بن علی نسائی (المولود ۲۱۵ھ المتوفی ۳۳۳ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، یہ بھی التاريخ الصغیر کے ساتھ مطبع انوار محمدی الہ آباد (ہند) میں ۱۳۲۵ھ میں یہ مجموعہ طبع ہوا تھا، امام نسائی کی اس کتاب کے اخیر میں امام موصوف کا ایک مختصر سار سالہ رجال پر دوسرا بھی ہے، امام نسائی نے اپنی کتاب میں بہت سے ثقات کو ضعیف کہہ دیا ہے حتیٰ کہ ان میں امام عظیم ابو حنیفہ کو بھی شمار کر دیا ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے امام موصوف کے تشدد سے فائدہ اٹھا کر الحاقی عبارتوں کا اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں امام صاحب کا ذکر الحاقی ہے۔

## (۶) الجرح والتعديل:

از عبد الرحمن بن ابی حاتم بن ادریس حنظلی رازی (الولود ۲۴۳ھ المتوفی ۳۲۲ھ)  
یہ رجال حدیث کی جرح و تعدیل کے لئے مستند ترین نہایت مہتمم با نشان  
کتاب ہے۔ مصنف نے جرح و تعدیل کے باب میں ائمہ فن کے اقوال کو تلاش  
کیا اور اس کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، بالخصوص اپنے والد ابی حاتم  
رازی اور حافظ ابو زرہ رازی کے اقوال و آراء کو بکثرت نقل کیا ہے، اس لحاظ  
سے یہ کتاب اپنے فن میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ پوری کتاب (۱۸۰۵۰) تراجم  
پر مشتمل ہے۔ ہر راوی کی جرح و تعدیل صحیح اسانید سے ذکر کیا ہے، ایک جلد  
میں کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، جس کا نام ہے المقدمة المعرفة لکتاب  
الجرح والتعديل، اس میں علم جرح و تعدیل کی اہمیت اور ائمہ فن کے حالات  
لکھے ہیں۔ اس کتاب سے علم حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا،  
حیدر آباد دائرۃ المعارف سے ۹ جلدوں میں ۱۳۴۳ھ میں کتاب طبع ہو کر شائع  
ہو چکی، جس میں جلد اول مقدمہ کے لئے مخصوص ہے، مصنف کی ”غلل حدیث“  
بھی قاہرہ سے ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

#### (۷) الثقات:

از ابی حاتم بن حبان بستی (المتوفی ۲۵۴ھ) اس کا ناقص قلمی نسخہ ”دار الکتب المصریہ“  
میں موجود ہے، البتہ علامہ نور الدین ہیشمی (۱۰۸۵ھ) نے اس کتاب کو حروف تہجی  
پر مرتب کیا ہے، ان کی کتاب کا نام ہے ”ترتیب کتاب الثقات“ اس کا  
قلمی نسخہ مکمل دو جلدوں میں ”دار الکتب المصریہ“ میں موجود ہے اور اب دس  
جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں تساہل سے کام  
لیا ہے، مگر علامہ سیوطی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان کی  
خاص اصطلاح ہے کہ وہ حدیث حسن کو بھی صحیح کہتے ہیں، لا مشاحة فی

الاصطلاح؛ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ”تہذیب التہذیب“ میں کتاب الثقات سے بہت استفادہ و نقل کیا ہے۔

### (۸) الکامل فی معرفۃ الضعفاء المحدثین و علل الحدیث :

از حافظ کبیر ابو احمد عبد اللہ بن محمد بن عدی جرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ) انھوں نے اپنی کتاب میں ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس پر کسی محدث نے کلام کیا ہے خواہ وہ رجاء صالحین ہی کے کیوں نہ ہوں، البتہ یہ اپنے موضوع پر جامع اور اہم کتاب قرار دی گئی ہے۔ علماء متاخرین نے بکثرت اس سے نقل و استفادہ کیا ہے۔ اس لئے ”میزان الاعتدال“ وغیرہ میں کسی ثقہ راوی پر ابن عدی کی جرح کو دیکھ کر فیصلے میں عجلت نہ کرنی چاہئے بلکہ مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہے، اس کتاب کا ناقص نسخہ ————— ”دار الکتب المصریہ“ میں موجود ہے مگر اب یہ کتاب بھی طبع ہو چکی۔ علامہ کوثری نے ابن عدی کی اس کتاب میں ایک نقد لکھا ہے جس کا نام رکھا ہے ”ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی“۔

### (۹) المدخل :

از امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نمیشاپوری (المولود ۳۲۱ھ المتوفی ۳۸۵ھ) مصنف نے کتاب کے ایک حصہ میں مجروحین روایہ پر تفصیلی کلام کیا ہے ۹۳۲ھ میں حلب سے طبع ہو چکی ہے۔

### (۱۰) کتاب الضعفاء المذکورین۔ او اسماء الضعفاء الواضعین :

از ابو الفرج عبد الرحمن بن علی : ابن الجوزی (المولود ۵۹۵ھ المتوفی ۶۵۹ھ) مصنف

نے اپنی کتاب میں ان ضعفاء کا ذکر کیا ہے جو وضع حدیث کرتے تھے، یا ان پر ائمہ فن نے جرح کی ہے۔ نیز کتاب کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی ہے، اس کا قلمی نسخہ ”دار الکتب المصریہ“ میں موجود ہے۔

### (۱۱) میزان الاعتدال

از حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ المتوفی ۷۴۸ھ) مصنف نے اپنی اس کتاب میں ”ابن عدی کا طریقہ اختیار کیا ہے بلکہ ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ درج کر دیا ہے، چنانچہ بہت سے رواۃ کے بارے میں الفاظ جرح نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کا شمار ثقات میں ہے اور وہ جرح سے محفوظ ہیں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ ابن عدی وغیرہ مؤلفین نے بعض ثقات پر معمولی جرح کی ہے، اس کو میں نے بھی اس کتاب میں نقل کیا ہے، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ بعد میں مجھ پر استدراک نہ کیا جائے، ورنہ وہ میرے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، چنانچہ بہت سی جگہوں پر مصنف نے ابن عدی وغیرہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی مستقل رائے کو بھی بیان کر دیا ہے مگر علامہ موصوف کا محققین، صوفیاء، و اولیائے امت پر نقد غیر معتبر ہے جب تک کہ دیگر اعتدال پسند ائمہ نے ان کی تائید نہ کی ہو۔ اسی طرح میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں امام اعظم کا ذکر آگیا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت الحاتی ہے۔ یہ مصر سے ۳۲۵ھ میں تین جلدوں میں شائع ہوئی تھی اور اب بیروت سے نہایت عمدہ صورت میں شائع ہو چکی ہے، پوری کتاب میں (۱۰۹۰۷) تراجم ہیں۔

(۱۲) رسالة في رواية الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردّهم :

یہ بھی حافظ ذہبی کا ایک رسالہ ہے جو مصر سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳) نثر الهميان في معيار الميزان ،

از سبط ابن العجمی مصنف نے علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال پر استدراک کیا ہے اس کا قلمی نسخہ مؤلف ہی کے قلم کا لکھا ہوا ”دارالکتب المصریہ“ میں موجود ہے۔

(۱۴) الاغتياب بمعرفة في من رمى بالاختلاط :

(۱۵) التبيين لاسماء المدلسين ،

(۱۶) الكشف الحثيث على من رمى بوضع الحديث :

یہ تینوں رسالے ”بربان الدین ابراہیم بن محمد حلبی سبط ابن العجمی (المتوفی ۵۸۴ھ) کے ہیں، پہلے دونوں رسالے حلب سے طبع ہو چکے ہیں۔

(۱۷) لسان الميزان :

از حافظ بن حجر عسقلانی (المولود ۳۷۳ھ المتوفی ۵۵۲ھ) حافظ ذہبی کی ”میزان“ کے بہت سے ان روایات کو حذف کر دیا ہے جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی تخریج کی ہے اور ”تہذیب الکمال“ میں جن روایات کا ذکر ہے ان کو بھی حذف کر دیا ہے اور بقیہ میزان الاعتدال کو کتاب میں شامل کر لیا ہے اور کافی اضافے بھی کئے ہیں، اس میں (۱۴۳۴۳) تراجم ہیں، ہندوستان میں ۱۲۲۹ھ میں ”دائرة المعارف“ حیدرآباد سے چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

## (۱۸) طبقات المدلسین :

یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے، مصر سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

## (۱۹) الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستة :

از زین الدین قاسم بن قطلوبغا (الولود ۸۰۲ھ المتوفی ۸۷۹ھ) یہ چار جلدوں میں تھی۔

# ④ کتب موضوعات

## (۱) تذکرة الموضوعات :

از ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی (ولدت ۴۲۸ھ م ۵۰۷ھ) مصنف نے حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے اور اس میں حدیث موضوع کے علاوہ اس راوی کو ذکر کیا ہے جس کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

## (۲) الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات :

از ابو عبد اللہ حسین بن ابراہیم ہمدانی جوزی (م ۵۴۳ھ) یہ

## (۳) الموضوعات الکبریٰ :

از ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی (الولود ۵۰۸ھ المتوفی ۵۹۷ھ) یہ چار

جلدوں میں تھی، اس کی دوسری اور چوتھی جلد کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس میں مصنف نے مختلف کتابوں سے حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کا موضوع ہونا بیان کیا ہے، بالخصوص 'الکامل لابن عدی' الضعفاء لابن حبان والعقيلي والازدی اور تفسیر ابن مردویه، طبرانی کی تینوں معاجم خطیب بغدادی اور ابونعیم وغیرہ کی تصنیفات سے جمع کیا ہے، مگر علامہ موصوف نے بہت سی حدیثوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے،

علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابن جوزی نے بہت سی قوی و حسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کر دیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کا نقد روایات میں تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کی کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہے، پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں احتیاط کی ضرورت ہے، مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں ہے۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "القول الحسن فی الذب عن السنن" میں ان سب کا جواب دیا ہے، جامع ترمذی اور دیگر صحاح وغیرہ پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات و جوابات معلوم کرنے کے لئے "التعقیبات علی الموضوعات" (جو چھپ چکی ہے) کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۴) المعنی عن الحفظ والکتاب بقولهم لم یصح شیء فی هذا الباب

از حافظ ضیاء الدین ابوصفص عمر بن بدر موصلی حنفی (المتوفی ۷۲۳ھ) قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

### (۵) تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص:

از حافظ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) مصنف نے اپنی کتاب کے نویں فصل میں زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب "الباعث علی الخلاص عن حوادث القصاص" کی تلخیص کی ہے اور دسویں فصل میں اس پر استدراک کیا ہے، مصر ۱۳۵ھ میں یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

### (۶) اللائئ المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة:

از حافظ جلال الدین سیوطی، مصنف نے ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" کا اختصار کیا ہے اور اس پر استدراک کیا ہے اور اضافے بھی کئے ہیں۔ مصر ۱۳۱۶ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

### (۷) ذیل اللائی المصنوعة:

### (۸) النکت البدیعات:

### (۹) التعقبات علی الموضوعات:

یہ تینوں کتابیں علامہ سیوطی کی ہیں، اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہیں۔

### (۱۰) تبریة الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة:

از ابوالحسن علی بن محمد (ابن عراق) کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) یہ نہایت جامع و مفید کتاب ہے۔ حافظ سیوطی کی "اللائئ" پر اضافہ و استدراک بھی کیا ہے، مصر ۱۳۷۶ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔



## (۱۱) تذکرۃ الموضوعات :

### (۱۲) قانون الاخبار الموضوعة والرجال للضعفاء :

از جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی (المتوفی ۷۹۸ھ) یہ دونوں رسالے ایک ساتھ قاہرہ سے ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں ۔

### (۱۳) الفوائد المجموعة في احاديث الموضوعات :

از قاضی ابو عبد اللہ محمد بن علی شوکانی (المولود ۱۱۷۳ھ المتوفی ۱۲۵۵ھ) سلف کی کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے ، مگر بعض روایتوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے ، مولانا عبد الحمی لکھنویؒ نے اپنی کتاب "ظفر الامانی" میں اس پر نقد کیا ہے ، مصر سے یہ کتاب ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۰ء) میں چھپ چکی ہے ۔

### (۱۴) تحذیر المسلمین في الاحاديث الموضوعات علی سید المرسلین :

از عبد اللہ محمد بشیر ظافر مالکی ۱۳۲۵ھ اس میں مصنف نے ان روایتوں کو ذکر کیا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گئی ہیں اور حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے ، مقدمہ کتاب میں کتب موضوعات کا تعارف بھی کرایا ہے ، مصر سے ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۳ء) میں چھپ چکی ہے ۔

### (۱۵) الموضوعات الکبیر :

از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) میں ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے ۔

### (۱۶) رسالة للامام الصنعاني :

(۱۷) اللؤلؤ المرصوع فيما لا اصل له او باصله موضوع،

لشیخ محمد بن ابی المحاسن الحسنی۔ یہ رسالہ اوپر والے رسالہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۱۸) الاحادیث المرفوعة في الاخبار الموضوعة؛

از مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۳ھ عرصہ ہوا لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ: علماء کی بہت سی ایسی بھی تالیفات ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے جو لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں، اسی طرح ان کا مقام و درجہ قوی ہیں یا ضعیف یا موضوع، ان باتوں کو بھی ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، ان کتابوں میں خصوصیت سے حافظ سخاوی کی المقاصد الحسنة زیادہ اہم ہے۔

(۱) المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على اللسان؛

از حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی (المولود ۸۳۳ھ المتوفی ۹۰۲ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے جس طرح کی ابواب پر ترتیب دی ہے، نہایت عمدہ و مفید کتاب ہے، ۹۵۶ھ میں مصر سے اور ہندوستان و بغداد سے شائع ہو چکی ہے۔

ہم نے کتب اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے تعارف میں اختصار و اجمال سے کام لیا ہے، بہر حال اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا غیر معمولی کوششیں کیں ہیں۔ بس اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شاء سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوششوں کو قبول فرمائے اور اس ناکارہ کی سیئات کو درگزر فرما کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و

اتباع کی دولت سے نوازے، اور اس کتاب کو حیات جاوداں عطا فرما کر مزید  
 حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ وَآخِرُ  
 دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

خَاتَمُ الْحَدِيثِ النَّبَوِيِّ

تَقِيُّ الدِّينِ ندوی مظاہری

روز دوشنبہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ ہجری

# کتاب کے اہم مراجع و مصادر

- ۱- اختصار علوم الحديث، حافظ ابن کثیر
- ۲- الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاريخ، حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی
- ۳- الاعتدال فی مراتب الرجال، حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۴- الاجوبة الفاضلة للسئلة العشرة الكاملة { از مولانا ابوالحسن عبدالحی  
مع تعلیق عبد الفتاح ابو غدة { لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)
- ۵- الأعلام، از خیر الدین زرکلی
- ۶- البداية والنهاية، ابوالفداء عماد الدین اسمعیل بن کثیر
- ۷- الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحديث، از حافظ ابن کثیر
- ۸- تدریب الراوی، حافظ جلال الدین سیوطی
- ۹- تذکرة الحفاظ، حافظ شمس الدین ذہبی
- ۱۰- تمهذیب التمهذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی
- ۱۱- توجیه النظر الی اصول الاثر، شیخ طائر جزائری
- ۱۲- تدوین حدیث، مولانا مناظر حسن گیلانی
- ۱۳- التعقیبات علی الموضوعات، حافظ سیوطی

- ۱۳- مقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل، عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی -
- ۱۵- تذكرة الموضوعات، ملا علی قاری
- ۱۶- تحفة الكملة علی تحفة الطلبة، مولانا عبدالحی لکھنوی
- ۱۷- توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، محمد بن اسماعیل امیر صنعانی
- ۱۸- جامع ترمذی، از امام ترمذی
- ۱۹- جامع بیان العلم وفضله، حافظ ابن عبد البر مالکی
- ۲۰- الجرح والتعديل، ابن ابی حاتم
- ۲۱- خطبات مدراس، علامہ سید سلیمان ندوی
- ۲۲- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ
- ۲۳- صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری
- ۲۴- صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج -
- ۲۵- سنن دارمی،
- ۲۶- السنة قبل التدوین، محمد عجاج خطیب
- ۲۷- سیر اعلام النبلاء، علامہ ذہبی
- ۲۸- السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم
- ۲۹- شرح الفیة الحديث، حافظ عراقی
- ۳۰- شرح نخبة، حافظ بن حجر عسقلانی
- ۳۱- شمائل ترمذی، امام ترمذی
- ۳۲- ریاض الصالحین، علامہ نووی
- ۳۳- الرفع والتکمیل (مع تعلیق عبد الفتاح ابو غنہ)، مولانا عبدالحی لکھنوی
- ۳۴- الرسالة المستطرفة، ابو جعفر کتانی
- ۳۵- ظفر الامانی، مولانا عبدالحی لکھنوی
- ۳۶- الطبقات الشافعية الکبریٰ، علامہ تاج الدین سبکی

- ۲۷۔ الطبقات الكبرى: ابن سعد
- ۲۸۔ عین الاصابة فیما استدرکتہ عائشة علی الصحابة، للسيوطی
- ۲۹۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، حافظ بن حجر عسقلانی
- ۳۰۔ فتح الملہم، مولانا شبیر احمد عثمانی
- ۳۱۔ فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث: حافظ سخاوی
- ۳۲۔ فوائخ الرحموت، مولانا عبد العلی بحر العلوم
- ۳۳۔ الفرق بین الفرق، عبد القاهر بن محمد بغدادی
- ۳۴۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی
- ۳۵۔ کشف الظنون، علامہ طبری
- ۳۶۔ کتاب العلل، امام ترمذی
- ۳۷۔ قواعد التحدیث، علامہ جمال الدین قاسمی
- ۳۸۔ القول المسدد فی الذب عن المسند، حافظ بن حجر عسقلانی
- ۳۹۔ لسان المیزان، حافظ بن حجر عسقلانی
- ۵۰۔ لامع الدراری شرح بخاری، از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۵۱۔ مفتاح الجنة، جلال الدین سیوطی
- ۵۲۔ مسند امام احمد:
- ۵۳۔ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری، حافظ بن حجر عسقلانی
- ۵۴۔ معرفۃ علوم الحدیث، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری
- ۵۵۔ المنتقى فی منهاج الاعتدال، حافظ ابن تیمیہ  
حافظ ذہبی نے منهاج السنۃ کا اختصار کیا ہے
- ۵۶۔ مصادر الشعر الجاهلی، دکتور صادم الدین اسد
- ۵۷۔ مناقب احمد: علامہ ابن جوزی
- ۵۸۔ مقدمۃ تحفۃ الاحوذی: مولانا عبد الرحمن مبارک پوری

۵۹. میزان الاعتدال، علامہ ذہبی
۶۰. علوم الحدیث، مقدمہ ابن صلاح
۶۱. مقدمہ اوجز المسائل، حضرت الاٹاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۶۲. مانس الیہ الحاجۃ من یطالع سنن ابن ماجہ، مولانا عبد الرشید نعمانی
۶۳. مقدمۃ نھرا لہزی علی المجتبی، حافظ جلال الدین سیوطی
۶۴. معجم المصنفین، عمر رضا کمالہ،
۶۵. نتائج الافکار، امیر بمانی
۶۶. البواقیت والجواہر، شیخ عبد الوہاب شعرانی